# میں چندا ماما

فرحت اشتیاق

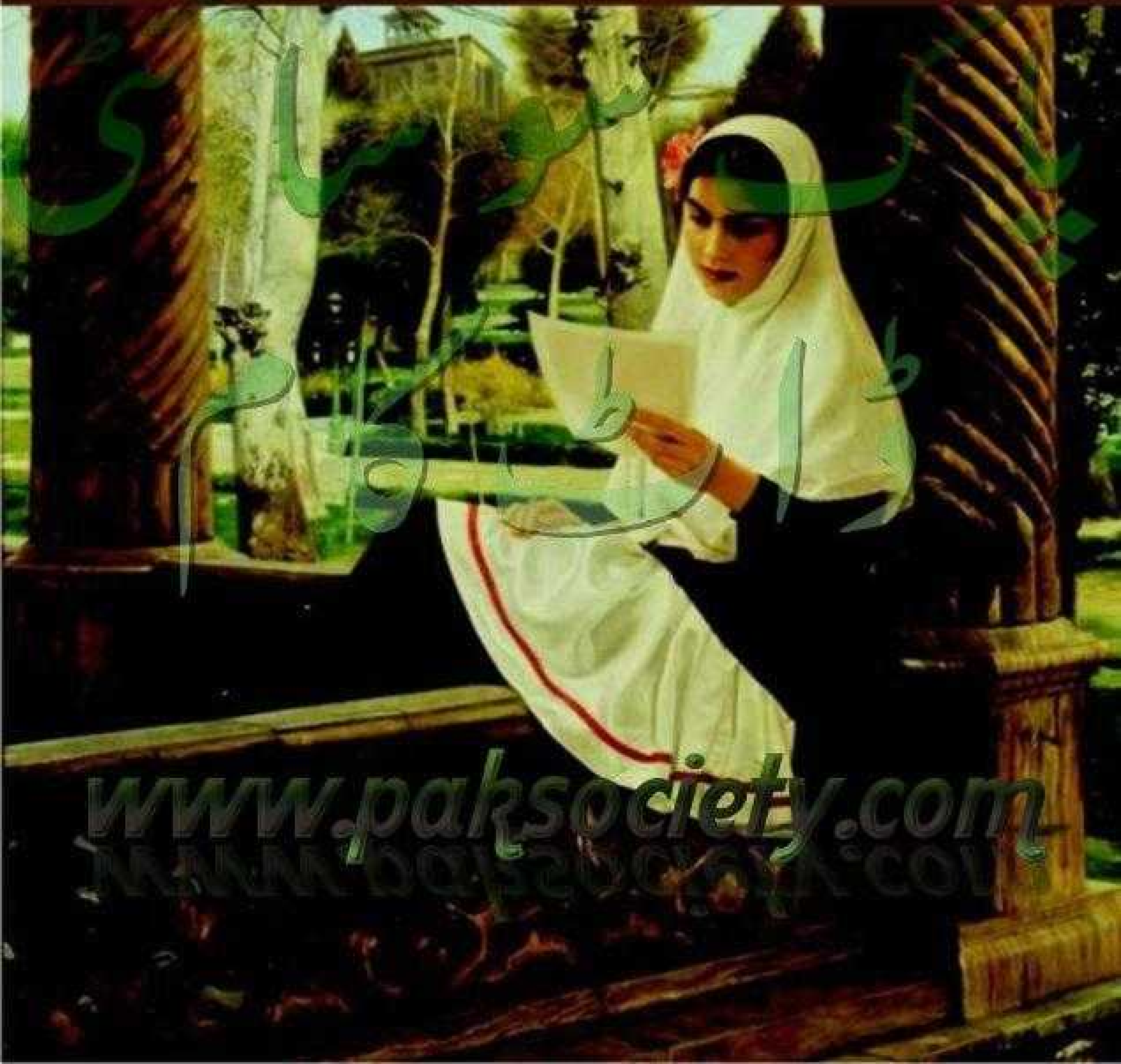

www.paksociety.com

# میں اور چندا ماما

''این۔ای۔ڈی'' میں ایڈمیشن کے تمام مراحل سے گزرنے اور داخلے سے متعلق تمام ضروری کارروائیوں کو پورا کرتے ہی میں نے اسلام آباد کا قصد کیا تھا۔اس یاترا کی وجہ تسمیہ چندا ماما تھے۔اپنے این ای ڈی میں ایڈمیشن کی خوشخبری سنانے کے لیے میں نے انہیں فون کیا تو انہوں نے خوشی کا اظہار بھی کیا، مجھے مبارک باد بھی دی اور پوچھا بھی کہ میں ان سے کیا گفٹ لوں گی مگر اس خوشی میں مجھے وہ گرم جوشی نظر نہ آئی جو ان کی گفتگو کا خاصا ہوا کرتی تھی۔میرے خیریت دریافت کرنے پر انہوں نے جس طرح ٹھنڈی آہ بھر کر کہا تھا۔

''ٹھیک ہیں، جی رہے ہیں۔'' وہ میرا ماتھا ٹھنکانے کے لیے کافی تھی۔ مجھے یقین ہے یہ جواب دیتے وقت انہوں نے گردن بھی ایک طرف گرائی ہوئی ہوگی اور چہرے پر بھی بڑے افسوس ناک تاثرات ہوں گے۔ان سے تو میں نے ایسا کوئی ذکر نہ کیا مگر ارادہ میں اسی وقت کر چکی تھی۔جیسے ہی ایڈمیشن کا تمام کام مکمل ہوا مجھے فوراً چندا ماما کے پاس اسلام آباد جانا ہے۔

چندا ماما ہم ڈھیر سارے کزنز کے اکلوتے ماموں ہیں۔ چھ بہنوں کے اکلوتے بھائی جو بڑی دعاؤں اور منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوئے۔ کبھی کبھی مجھے بے چارے چندا ماما پر بڑا ترس بھی آتا ہے۔ چھ بہنوں کا اکلوتا بھائی ہونا بھی کسی عذاب سے کم نہیں۔نانا جان اور نانی کو تو خیر بیٹے کا شوق تھا ہی مگر ان کی چھ کی چھ بیٹیاں بھی بھائی کے لیے بری طرح مچلا کرتی تھیں۔آخر کار قدرت نانی پر مہربان ہوگئی اور حسن منیر یعنی چندا ماما اس دنیائے رنگ و بو میں تشریف لے آئے۔نانا جان بیٹے کی پیدائش کے دو سال بعد ہی چل بسے تھے مگر نانی اور تمام بہنوں نے انہیں کبھی بھی کوئی کمی محسوس نہ ہونے دی۔سب بہنوں کو بھائی سے کھیلنے اسے نہلانے اور سجانے سنوارنے کا شوق تھا۔بے چارے چندا ماما کو دن میں چھ دفعہ نہلایا جاتا اور یوں سب بہنیں اپنا اپنا شوق پورا کرتیں۔ بڑے ہوئے تو مسائل بھی بڑے ہو گئے۔ایک بہن کا دل چاہتا میرا بھائی ڈاکٹر بنے تو دوسری بھائی انجینئر بنانا چاہتی تھی۔ایک سول سروس میں تو دوسری آرمی میں۔ایک پائلٹ تو ایک آرکیٹکٹ۔ بے چارے چندا ماما کریں تو کیا کریں۔ بڑی مشکلوں سے بہنیں اس بات پر متفق ہوئی تھیں کہ ماما کو سول سروس میں جانا چاہیے مگر یہاں نانی نے نکتہ اعتراض اٹھایا۔نانا جان کی دیرینہ خواہش کا ذکر کیا کہ وہ بیٹے کو ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے۔

خیر صاحب اس مسئلے کا حل یوں نکلا کہ ماما نے پہلے ڈی ایم سی سے ایم بی بی ایس کی ڈگری لی اور پھر اس کے بعد سی ایس ایس کا امتحان دیا۔چندا ماما کا سی ایس پی آفیسر بننا جہاں ان کی بہنوں کے لیے خوشی کا باعث تھا وہیں ان کے تمام بھانجے بھانجیوں کے لیے بھی باعث فخر تھا۔آج کل وہ اسلام آباد میں پوسٹڈ تھے۔سب کے دل ان کی دوری پر بے چین رہا کرتے۔ممی اور خالائیں انہیں فون کر کے اپنی بے چینی اور بے تابی کا احوال سناتیں تو وہ بڑی بے نیازی سے کہتے۔

''آپ ہی لوگوں کو شوق تھا کہ ہمارا بھائی سول سروس میں جائے، اب برداشت کریں۔''

ویسے تو چندا ماما کی اپنے تمام بھانجے بھانجیوں سے دوستی تھی مگر میری بات الگ تھی۔ میرے اور ان کے درمیان ایک عجیب سی کمیونیکیشن تھی۔ وہ مجھ سے اپنی پریشانی کا اظہار نہ بھی کریں، مجھے نہ بھی بتائیں کہ وہ اداس ہیں مگر میں فوراً سمجھ جاؤں گی اور پھر ان کے پیچھے لگ کر جب تک ان سے ساری بات اگلوا نہ لوں مجھے چین نہیں آئے گا۔ یہی حال چندا ماما کا تھا۔ وہ میرے کہے بغیر میری ہر بات سمجھ لیا کرتے تھے۔ ہم دونوں ماموں بھانجی سے زیادہ ایک دوسرے کے دوست تھے۔ چندا ماما مجھ سے پورے آٹھ سال بڑے ہیں۔

آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ میں اپنے ماموں کو چندا ماما کیوں کہتی ہوں، بھئی اس چندا ماما کی وجہ وہی مشہور بات ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو چندا ماما کی کہانیاں کیوں سناتی ہیں۔ چندا چاچا یا چندا تایا کی کیوں نہیں سناتیں۔ آپ نے بھی یقیناً یہ بات سن رکھی ہوگی کیونکہ یہ بات اب ایک کلیشے بن چکی ہے سو''چندا ماما دور کے بڑے پکائیں بور کے'' سنتے سنتے ہم لوگ انہیں چندا ماما کہنے لگے تھے۔

اپنے ایڈمیشن کا کام مکمل ہو جانے تک کا عرصہ میں نے کتنی مشکلوں سے گزارا، یہ میرا دل ہی جانتا ہے ورنہ دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ اڑ کر چندا ماما کے پاس پہنچ جاؤں مگر یہاں مسئلہ کیریر کا اور پروفیشن کا تھا اور پروفیشن بھی کون سا جسے اختیار کرنے کے لیے میں نے دن رات ایک کر کے محنت کی۔ این ای ڈی میں ایڈمیشن میرے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ انٹر میں خوب دل لگا کر پڑھا، بے انتہا محنت کی۔ پھر رزلٹ آنے سے پہلے ایک انسٹی ٹیوٹ جوائن کر لیا جہاں سے میں داخلہ ٹیسٹ کی تیاری کی۔ خوب لمبی لمبی نمازیں پڑھیں، دعائیں مانگیں۔ مجھے تسبیح ہاتھ میں لیے وظیفہ پڑھتے دیکھ کر رضا کمبخت کھڑکی سے جھانکتا۔

''اوہو اللہ میاں کو رشوت دی جا رہی ہے، اللہ میاں ایسے مطلبی لوگوں کی دعائیں قبول نہیں کرتے۔'' وہ میرا دل جلاتا۔

سب کو پتا تھا مجھے این ای ڈی میں داخلہ لینے کا کس قدر کریز ہے۔ این ای ڈی میرا جنون ہے اگر میرا ایڈمیشن نہ ہوا تو پتا نہیں کیا کر بیٹھوں گی۔ جس روز میرٹ لسٹ لگنا تھی اس سے ایک دن پہلے میری حالت غیر تھی۔ دل کی دھڑکن معمول سے کہیں تیز اور ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے برف۔ مجھ سے پریشانی میں کھانا بھی نہیں کھایا گیا تھا۔ ممی اور ڈیڈی نے کتنا سمجھایا ''تم نے خوب محنت کی اب نتیجہ اللہ پر چھوڑ دو، اللہ جو کرے گا وہ بہتر ہوگا، کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو۔'' مگر کوئی نصیحت میرے اضطراب کو کم نہ کر پائی تھی۔ ہر لمحہ بس یہی دھڑکا کہ اگر میرا ایڈمیشن نہ ہوا تو کیا ہوگا۔ رات میں رضا کو اپنے کمرے میں دیکھ کر مجھے کافی حیرت ہوئی تھی۔

''یہ لو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔'' میری حیرت کے جواب میں اس نے ایک خاکی لفافہ میرے ہاتھ میں پکڑایا تھا۔ میں نے کھولا تو اس میں نیند کی گولیوں کی دو شیشیاں رکھی ہوئی تھیں۔

''میں نے سوچا کل پریشانی میں پتا نہیں تمہیں سلیپنگ پلز مل سکیں یا نہیں مل سکیں چلو میں پہلے ہی تمہارا مسئلہ حل کر دوں۔'' اس کی حرکت پر میں کھول کر رہ گئی تھی۔

''کل کا دن میرے نہیں میرے دشمنوں کے مرنے کا ہوگا، میری خوشیوں سے جلنے والوں کے سینوں پر کل سانپ لوٹیں گے انشاء اللہ۔''

اپنے دل کی کیفیت سے قطع نظر میں نے اسے بڑے اعتماد سے جواب دیا تھا۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ کھول کر ندا اندر داخل ہوئی تو وہ اسے آنکھ مار کر بولا۔

''یار! ندا بریانی اور زردہ کھائے کتنے دن ہو گئے۔''

ندا اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے ہنس پڑی تھی جبکہ میرا غم و غصے سے برا حال تھا۔ منحوس الٹی سیدھی بکواس کر رہا ہے۔ کوئی گھڑی قبولیت کی بھی ہوتی ہے۔

''رضا! تم فوراً سے پیشتر یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔'' مجھ سے اس کی مسکراہٹ برداشت نہ ہو رہی تھی۔ دل تو وہ میرا جلا ہی چکا تھا اس لیے بڑے اطمینان سے باہر چلا گیا تھا۔

''پتا نہیں کتنے شیطان مرے ہوں گے تب یہ پیدا ہوا ہوگا۔ تمام تر ابلیسی صفات ہیں اس میں میرے لیے نیند کی گولیاں لایا ہے۔'' میں نے ہاتھ میں پکڑی وہ دونوں شیشیاں دور پھینک دی تھیں۔

پوری رات پریشانی میں مجھے نیند نہیں آئی تھی۔ کبھی اس طرف کروٹ بدلتی کبھی اس طرف مجھے تہجد کی نماز پڑھتے دیکھ کر ڈیڈی جو روزانہ ہی تہجد کے وقت بیدار ہو جایا کرتے تھے بے اختیار ہنس پڑے پھر میرے پاس آ کر میرا ماتھا چومتے ہوئے بولے۔

''ایڈمیشن انشاء اللہ میری بیٹی کا ہو جائے گا مگر اس کے بعد بھی نماز نہیں چھوڑنی ہے۔ تہجد کی نماز تو خیر فرائض میں شامل نہیں مگر پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھنی ہے، ٹھیک ہے؟''

میں نے ان کی بات پر کچھ شرمندگی کے عالم میں گردن ہلا دی تھی۔ مجھ سے چھوٹے بہن بھائی نماز پابندی سے پڑھتے تھے مگر میں اکثر نماز میں ڈنڈی مارا کرتی تھی۔ خاص طور پر فجر اور عشاء کی نمازوں میں۔ فجر کی نماز میں سوتے سے اٹھنا مشکل لگتا تھا اور عشاء کی نماز لمبی بہت لگتی تھی۔ میں نے اسی وقت دل میں عہد کیا اب پانچوں نمازیں پابندی سے پڑھا کروں گی۔

ناشتے کی میز پر ممی کے بہت پیچھے لگنے پر میں نے ٹوسٹ حلق سے اتارا تھا۔ ڈیڈی کو آفس پہنچنے کی جلدی تھی۔

''عرشی بیٹا! تم ایسا کرنا رضا کے ساتھ جا کر لسٹ دیکھ آنا۔''

وہ بریف کیس اٹھا کر ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے بولے تھے۔ جب سے ممی نے ڈرائیور کو نکالا تھا کہیں بھی آنے جانے کی بہت پریشانی ہو گئی تھی۔ بلال ابھی صرف پندرہ سال کا تھا گو وہ ممی ڈیڈی سے چوری چھپے گاڑی چلانے لگا تھا مگر میں اس کے ساتھ یونیورسٹی بہر حال نہیں جا سکتی تھی۔ رضا کے ساتھ جانے پر میں بالکل تیار نہ تھی مگر اس وقت کوئی اور دستیاب بھی نہ تھا اور پھر ممی کے بقول۔

''وہ خود وہیں پڑھتا ہے، وہ تمہاری بہتر رہنمائی کر سکے گا۔'' اور میں ممی کو کیا بتاتی کہ وہ آپ کی لاڈلی کی کیا رہنمائی کرے گا وہ تو میرے سوئم کا زردہ بریانی کھانے کی آس میں دن گن گن کر گزار رہا ہے۔

رضا کے برابر گاڑی میں بیٹھی میں زارا کے بتائے ہوئے وظیفے کا ورد کرنا چاہتی تھی مگر اس نے فل والیوم میں ''جنون'' کو لگایا ہوا تھا۔

''بند کرو رضا اسے۔'' جب اس نے پانچویں دفعہ بھی میرے احتجاج کو کوئی اہمیت نہ دی تو میں نے غصے میں آ کر کیسٹ نکال کر گاڑی سے باہر پھینک دیا تھا۔

''یہ کیا کیا، میرے تیس روپوں کا نقصان کر دیا، اب نیا کیسٹ میں تم سے ہی وصول کروں گا۔''

اس کی دھمکیوں کو خاطر میں لائے بغیر میں اپنا وظیفہ پڑھنا شروع کر چکی تھی۔ یونیورسٹی کے مین گیٹ کے باہر لسٹ لگی ہوئی تھی اور اسٹوڈنٹس کا جم غفیر وہاں جمع تھا۔ لڑکیاں، لڑکے ان کے والدین ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ میں اور رضا بھی اتر کر اس مجمع میں شامل ہو گئے تھے۔ بسم اللہ پڑھ کر میں نے لسٹ پر نظریں دوڑانی شروع کی تھیں۔

''رضا! میرا نام نظر نہیں آ رہا۔'' میں نے اپنے پیچھے کھڑے رضا سے روہانسی آواز میں کہا تھا۔ وہ مجھ سے پورے سات انچ لمبا تھا اس لیے میرے پیچھے کھڑے ہو کر بھی وہ آرام سے لسٹ دیکھ سکتا تھا۔

''جو چیز ہو گی ہی نہیں وہ نظر کیسے آئے گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

میری حالت اتنی غیر تھی کہ اسے جواب میں کچھ بھی نہیں کہہ پائی۔ آنسو بس کسی بھی لمحے بہنا شروع ہونے والے تھے۔ ''یہ لو Maginfying Glass (محدب عدسہ) سے ایک دفعہ پھر چیک کر لو تا کہ شک کی کوئی گنجائش نہ رہے، میں اسی لیے یہ ساتھ لے آیا تھا۔''

وہ اپنی بلیک کلر کی جینز کی پاکٹ سے Magnifying glass نکالتے ہوئے بولا تھا۔

''ایکسکیوز می، اگر آپ لسٹ دیکھ چکی ہیں تو پلیز ذرا سائیڈ میں ہو جائیں ہمیں بھی لسٹ دیکھنی ہے۔''

میرے دائیں جانب کھڑی تین لڑکیوں کے گروپ میں سے ایک بولی تھی۔ انہیں جگہ دینے کے لیے میں ہٹنے ہی والی تھی کہ اچانک لسٹ کے سب سے آخر میں اپنے رول نمبر پر نظر پڑی۔

''رضا رضا! دیکھو میرا نام ہے۔ رضا! میرا نام لسٹ میں آ گیا۔ رضا! دیکھو میرا ایڈمیشن ہو گیا۔''

وہ تینوں تو میری چیخ پر ڈری ہی تھیں آس پاس دوسری لسٹوں کے پاس کھڑے ہوئے کئی لوگوں نے بھی میری طرف تعجب سے دیکھا تھا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر دوں۔ خوشی سے پاگل ہونا کسے کہتے ہیں میری سمجھ میں اس روز آیا تھا۔ رضا کے ایکسپریشنز بڑے نارمل تھے۔ واپسی میں اسے گاڑی نیپا کی طرف لے جاتے دیکھ کر میں حیرت سے بولی۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' ہمارا گھر گلشن میں ہی ہے اور جہاں سنڈے بازار لگتا ہے۔ یونیورسٹی سے گھر جاتے ہوئے ہم وہیں سے ٹرن کیا کرتے تھے۔ وہ میری بات کے جواب میں کچھ نہ بولا تھا۔

اس نے گاڑی نیپا کے راؤنڈ اباؤٹ سے موڑ کر کے ایف سی پر لا کر روکی اور بولا ''بھوک لگ رہی ہے چلو کچھ کھاتے ہیں۔'' میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی سے اتر گئی تھی۔ لنچ ٹائم ہو رہا تھا اور کے ایف سی کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ زیادہ تعداد کراچی یونیورسٹی اور این ای ڈی کے پنچھیوں کی تھی۔ ہر میز پر سرگوشیوں میں راز و نیاز کی باتیں کرتے ہوئے جوڑے نظر آ رہے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ نیپا کے ایک طرف گلشن چورنگی تک اور نیپا کے دوسری

طرف حسن اسکوائر تک تمام فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹس اور آئس کریم پارلرزان ہی ''پنچھیوں'' کی وجہ سے آباد ہیں۔ کاؤنٹر پر کھڑے ہو کر رضا نے اپنی پسند کی تمام چیزوں کا آرڈر کیا اور مجھ سے بھی میری پسند پوچھی، میں نے بے دریغ زنگر برگر، چکن، عریبین رائس وغیرہ کا آرڈر دے دیا تھا۔

ہوش تو میرے اس وقت اڑے جب کاؤنٹر پر کھڑی خوش شکل لڑکی کے سامنے رضا نے مجھ سے پے منٹ کرنے کے لیے کہا۔ صورت حال ایسی تھی کہ میں انکار کر ہی نہیں سکتی تھی ناچار دل پر بھاری پتھر رکھتے ہوئے میں نے بیگ سے والٹ نکالا اور ساڑھے چار سو روپے بل ادا کیا۔

''تمہارا ایڈمیشن ہوا ہے اس خوشی میں مجھے ٹریٹ تو ملنی ہی چاہیے تھی۔'' وہ مرغ کی ٹانگ کھاتا ہوا بڑے اطمینان سے بولا تھا۔ میرا غصے سے برا حال تھا۔ اپنے پیسے خرچ ہو جانے پر جتنا بھی افسوس کرتی کم تھا۔ کل ہی تو ڈیڈی نے کپڑے بنانے کے لیے تین ہزار روپے دیئے تھے ان میں سے ساڑھے چار سو تو یہ خرچ ہو گئے۔ اسے خوب اچھی طرح پیٹ بھر کر کھاتا دیکھ کر مجھے اور بھی غصہ آ رہا تھا۔ میرے باپ کی حق حلال کی محنت کی کمائی یہ منحوس کتنے آرام سے اڑا رہا ہے۔ غصے میں آ کر میں نے بھی اندھا دھند کھانا شروع کر دیا تھا۔

گھر پہنچے تو ممی اور تمام بہن بھائیوں سمیت عفت آنٹی بھی لاؤنج میں براجمان ہم لوگوں کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔

''کیا رہا؟'' ممی نے بے تابی سے پوچھا۔ میرا خوشی سے گلنار چہرہ دیکھ کر وہ سمجھ تو گئی تھیں مگر پھر بھی تصدیق کے لیے یہ خوشی کی خبر میرے منہ سے سننا چاہتی تھیں۔ میرے جواب میں کچھ کہنے سے پہلے رضا بولا۔

''میرٹ لسٹ میں پہلا نام عرشی کا۔'' اس کے چہرے پر چھائی مکاری اور کمینگی میرا خون کھولانے کے لیے کافی تھی۔

''واقعی۔''

''ارے بھئی کمال ہو گیا۔''

''میری بیٹی ہے ہی ذہین، مجھے پتا تھا وہ کچھ نہ کچھ منفرد ضرور کرے گی۔''

''ارے بجو! آپ تو چھپی رستم نکلیں، بیٹھے بیٹھے میدان مار لیا۔''

سب کے منہ سے مختلف توصیفی کلمات نکل رہے تھے اور میں گو مگو والی کیفیت میں گھری کھڑی تھی۔

''سائیلنس، سائیلنس خواتین و حضرات! ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی ہے۔'' اس نے ڈرامائی انداز میں کہا تھا اور سب لوگ ایک دم خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''میرٹ لسٹ میں پہلا نام تو ہے مگر نیچے سے، میرا مطلب ہے کہ اگر میرٹ لسٹ نیچے سے پڑھی جائے تو عرشیہ سلمان کا پہلا نمبر ہے۔''

کیا وہ میری خوشی غارت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میری آنکھیں یک دم بھر آئی تھیں۔ اپنے ساڑھے چار سو ساڑھے چار ہزار نظر آنے لگے تھے۔ مجھ سے ٹریٹ بھی لے لی اور ڈھیر ساری بکواس بھی کر لی۔

''واقعی بجو! آپ نے نیچے سے ٹاپ کیا ہے۔ تب بھی بات تو کمال کی ہے۔ ٹاپ تو ٹاپ ہے، چاہے اوپر سے کیا جائے چاہے نیچے سے۔'' بلال شرارت سے بولا تھا۔ باقی سب بہن بھائی بھی منہ چھپا کر مسکراہٹ روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ عفت آنٹی کی نظر میری روہانسی

شکل پر پڑی تو وہ فہمائشی نظروں سے رضا کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''رضا! بی ہیو یور سیلف۔''

میں اپنے آنسو سب سے چھپاتی اندر کمرے میں چلی گئی تھی مگر فوراً ہی ندا، ردا، بلال، عروس، طلحہ، فیضی، ممی اور عفت آنٹی میرے پیچھے پیچھے اندر چلے آئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں سب میرا موڈ بحال کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اس بدتمیز کی وجہ سے میں اپنی خوشی کو ڈھنگ سے سیلیبریٹ نہیں کر پا رہی۔ یہ خیال آتے ہی میں نے اس پر اور اس کی بکواس پر دس دفعہ لعنت بھیجی اور خوشی خوشی ڈیڈی، چندا ماما، نانی اور اپنی تمام فرینڈز کو فون کھڑکانے بیٹھ گئی۔

ممی نے سارے محلے میں مٹھائی تقسیم کروائی، ڈیڈی رات میں ہمیں ''سی ویو'' لے گئے اور ہم نے ڈنر بھی باہر کیا۔ یوں وہ دن میری اب تک کی زندگی کا یادگار ترین دن بن گیا۔

این ای ڈی جانے کا شوق بھی مجھے رضا ہی کو دیکھ کر ہوا تھا۔ وہ وہاں کمپیوٹر انجینئرنگ کر رہا تھا۔ تھرڈ ایئر کا امتحان دے کر وہ ابھی حال ہی میں فائنل ایئر میں آیا تھا۔ وہ شروع ہی سے پڑھائی میں بہت اچھا تھا اور این ای ڈی میں ایڈمیشن کے وقت اس کا میرٹ لسٹ میں پہلا نام تھا اور اس بات پر وہ بہت اترایا بھی کرتا تھا۔ اس کی گاڑی کے پیچھے لگا این۔ ای۔ ڈین کا اسٹیکر ہاتھوں میں این۔ ای۔ ڈی کی نوٹ بکس اور فائلز دیکھ دیکھ کر ہی وہاں جانا میرے خوابوں میں شامل ہوا تھا۔ پتا نہیں کیوں میں شروع ہی سے ہر معاملے میں رضا کی تقلید کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ جو وہ پڑھ رہا ہے میں بھی پڑھوں، جو وہ کھیل رہا ہے میں بھی کھیلوں، جو وہ کھا رہا ہے میں بھی کھاؤں، گو میں یہ بات اپنے آپ سے بھی نہیں مانتی تھی مگر بہرحال سچ یہی تھا۔ عفت آنٹی لوگوں کی فیملی شروع ہی سے ہمارے پڑوس میں آباد تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ ہمارے اتنے پرانے اور دیرینہ تعلقات تھے کہ ہمارے اکثر جاننے والے ان لوگوں کو ہمارا رشتے دار سمجھا کرتے تھے۔ ان کے اور ہمارے بیچ کوئی تکلف، کوئی غیریت نہیں تھی۔ ہم لوگ بلاتکلف ایک دوسرے کے گھر جایا آیا کرتے تھے۔ انکل کا اپنا بزنس تھا جس میں معیز بھائی ان کی مدد کرایا کرتے تھے۔ معیز بھائی اور رجاء آپی کی شادیوں میں ہم لوگ اس طرح شریک ہوئے تھے جیسے یہ ہمارے اپنے گھر کی شادی ہو۔ میری عفت آنٹی اور ثوبیہ بھابی سے بہت بنتی تھی اور ان کا گول مٹول کیوٹ سا بیٹا موبی تو بڑا فیورٹ تھا۔ اتنے اچھے گھرانے میں رضا وقاص پتا نہیں کہاں سے آ گیا تھا۔ ہر دم میرا دل جلانے کو تیار، انتہائی بیہودہ، معیز بھائی اور رجاء آپی جتنے اچھے اور اچھی طبیعت کے مالک تھے وہ اتنا ہی بدتمیز اور جنگلی۔

انٹرویو اور میڈیکل کے مراحل سے بھی میں بخوبی گزر گئی اور ایڈمیشن فیس بھی جمع کروا دی یعنی یہ کہ میرا ایڈمیشن مکمل ہو گیا تو میں نے اپنی الماری میں سب سے چھپا کر رکھا ہوا این۔ ای۔ ڈی کا اسٹیکر نکالا۔ یہ اسٹیکر جب میں ایڈمیشن فارم لینے گئی تھی تب ہی بک شاپ سے خرید لیا تھا مگر دکھایا کسی کو نہیں تھی۔ خوامخواہ بعد میں مذاق نہ بنے، یہ سوچ کر میں نے سب سے چھپا لیا تھا مگر اب تو مذاق اڑنے کا سوال ہی نہیں تھا، میں بڑے فخر کے ساتھ یہ اسٹیکر اپنی گاڑی کے پیچھے لگا سکتی تھی۔

میں پورچ میں آ کر بڑے پیار سے گاڑی کے پیچھے اسٹیکر لگا رہی تھی جب رضا کی آواز سنائی دی۔

''اوچھے کو ملا تیتر......'' مگر اس کی پیٹھ میں دیکھ چکی تھی۔ وہ ٹیرس پر موبی کو گود میں لے کر ٹہل رہا تھا۔ شاید وہ بھابھی کو تنگ کر رہا ہوگا اور رضا اسے ٹیرس پر لے آیا تھا۔ ٹیرس کا دوسرے سرے تک چکر مکمل کر کے وہ واپس اس طرف آیا تو میں اپنے کام سے فارغ ہو کر ایک پیار بھری نظر گاڑی پر ڈالتے ہوئے اندر جانے ہی والی تھی کہ دوبارہ اس کی آواز آئی۔

''خدا گنجے کو ناخن نہ دے۔''

اب کی دفعہ میں نے اسے فرار ہونے کا موقع نہ دیا اور لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ رکھ کر چلائی۔ ''کیا بکواس کر رہے ہو تم۔''

وہ جو دوبارہ واپس مڑ چکا تھا پلٹا اور بڑی معصومیت سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''کچھ نہیں میں موبی کو محاورے سکھا رہا ہوں۔''

میرا دل چاہ رہا تھا یہیں سے اٹھا کر کوئی وزنی پتھر اس کے سر پر مار دوں۔

''خوب سمجھتی ہوں میں تمہاری مکاریاں۔'' میں نے دانت پیستے ہوئے کہا تھا۔

''بھئی اس میں اتنا برا ماننے والی کیا بات ہے، اہلِ زبان تو با محاورہ اردو بولنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔''

وہ موبی کے منہ میں چاکلیٹ ڈالتے ہوئے مسکرایا تھا اور یہ چالاک اور مکار مسکراہٹ مجھے کتنی زہر لگ رہی تھی یہ میں ہی جانتی تھی۔

''تمہیں سارے محاورے میری شکل دیکھ کر کیوں یاد آتے ہیں۔'' میں غصے سے چلائی تھی۔

''تمہاری شکل بابائے اردو سے ملتی ہے نا اس لیے۔'' وہ میرا دل جلاتا ہوا موبی کو لیے جھٹ کمرے میں گھس گیا تھا اور میں کتنی دیر تک مٹھیاں بھینچے کھڑی رہی تھی۔ ابلیس کہیں کا۔ صرف میرا دل جلوا لو اس سے۔ مجھے پتا تھا اس روز بھی وہ جان کر خاموش کھڑا میری غیر ہوتی حالت سے لطف اندوز ہوتا رہا تھا ورنہ لسٹ میں اس نے میرا نام پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔

☆

اسلام آباد جانے کا تو میں پہلے ہی فیصلہ کر چکی تھی اور ابھی تو کلاسز شروع ہونے میں کچھ دن بھی تھے چنانچہ میں نے رختِ سفر باندھا۔ مجھے دیکھ کر ظاہر ہے چندا ماما بہت خوش ہوئے تھے۔ میں نے انہیں اپنے آنے کا پہلے سے بتایا ہوا بھی نہیں تھا۔ آج صبح مجھے جہاز میں بٹھانے کے بعد ڈیڈی نے انہیں میرے آنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ میری اچانک آمد پر خاصے حیران تھے۔

''بس ابھی فراغت بھی تھی اور آپ یاد بھی بہت آ رہے تھے۔'' میں نے لاپروائی سے جواب دیا اور وہ جو میرا ماتھا ٹھنکا تھا وہ کچھ بے جا تو نہیں تھا اچھا خاصا معقول بندہ جب روزانہ رات میں سونے سے پہلے پابندی سے مہدی حسن، فریدہ خانم، غلام علی اور اقبال بانو کو سننا شروع کر دے تو تشویش کی بات تو ہے۔ وہ جو پاپ گانوں اور انگلش میوزک کے شیدائی تھے اب۔

''دشتِ تنہائی میں اے جانِ جہاں......''

''گلوں میں رنگ بھرے......''

اور ''چپکے چپکے رات دن آنسو بہانا یاد ہے......''

بڑی اداسی سے سنا کرتے تھے۔ کمرہ سگریٹ کے دھوئیں سے بھرا ہوا اور وہ بیڈ پر نیم دراز پتا نہیں کن خیالوں میں کھوئے نظر آتے۔ میں تو آئی ہی اس مقصد کے لیے تھی اس لیے بڑی ہوشیاری سے چندا ماما کی جاسوسی شروع کر دی۔ ان کے تمام ملنے والوں کا بغور جائزہ لینے لگی، ان کی روز کی ڈائری چیک کی کہ شاید کوئی فون نمبر کوئی ای میل ایڈریس کوئی ایسی شخصیت مل سکے جس پر میں شک کر سکوں۔ ان کی تمام ای میلز ان سے چھپ کر چیک کیں مگر کوئی کلیو ہاتھ نہ لگا۔

پھر ایک روز شام میں جب میں اور چندا ماما واک کرنے کے لیے باہر نکلے اور عین اسی وقت سامنے والے مکان میں سے ایک خرانٹ سے بڑے میاں ہاتھ میں اپنے موٹے تازے تندرست کتے کی زنجیر تھامے باہر نکلے اور ان کے ساتھ ایک نازک البیلی حسینہ بھی برآمد ہوئی اور اسے دیکھ کر چندا ماما نے جتنی ٹھنڈی اور دکھ بھری سانس لی تھی میرا مسئلہ اسی وقت حل ہو گیا تھا، جیسے ہی ساری بات سمجھ میں آئی میں نے بڑے میاں اور کتے کو نظر انداز کر کے اس گل بکاؤلی کا از سر نو جائزہ لیا۔ چندا ماما غلط تو نہیں فدا ہو رہے تھے اس مہ جبیں پر۔ اس کے چہرے پر حسن کے ساتھ ساتھ سادگی اور معصومیت بھی تھی۔ سر جھکا کر وہ بڑے ڈرے ڈرے انداز میں بڑے میاں کے ساتھ چل رہی تھی۔ یہ لمبی گھٹنوں کو چھوتی ہوئی موٹی سی چٹیا، وہ مشرقی حسن کا جیتا جاگتا نمونہ تھی۔

''فکر مت کریں چندا ماما! ابھی آپ کی بھانجی زندہ ہے۔ میں انشاء اللہ آپ کا مسئلہ حل کرا کر ہی جاؤں گی۔''

مجھے پورا یقین تھا۔ چندا ماما کی اس یک طرفہ لو اسٹوری میں ولن کا کردار وہ خرانٹ ابا جان ادا کر رہے ہوں گے۔ وہ بے چاری ان کے ساتھ کتنی سہمی ہوئی تھی جیسے کسی جلاد کی قید میں ہو۔ مجھے اس کے چہرے کے قابل رحم تاثرات یاد آ رہے تھے۔

اگلے روز چندا ماما کے آفس چلے جانے کے بعد میں نے درِ لیلیٰ پر حاضری دی تو سگِ لیلیٰ نے اپنی خوفناک اور خطرناک آوازوں سے میرا استقبال کیا۔ وہ یوں بھونک رہا تھا جیسے ابھی میرا تیا پانچا کر کے رکھ دے گا۔ چوکیدار نے کتے کو ڈانٹ کر خاموش کرایا اور مجھے اندر آنے کے لیے کہا تو لان میں باغبانی کرتے خرانٹ انکل نے مجھے روک لیا۔

''کس سے ملنا ہے؟''

''کیوں ملنا ہے؟''

''میں کون ہوں؟''

''کہاں سے آئی ہوں؟''

ایسا لگ رہا تھا جیسے بارڈر کراس کرتے ہوئے بھارتی فوجیوں نے مجھے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا ہے اور اب دشمن ملک کی سرحد غیر قانونی طور پر کراس کرنے کے جرم میں مجھ سے سوال جواب ہو رہے ہیں۔

''یا اللہ یہ میں کہاں پھنس گئی۔''

میں نے بے بسی سے سوچا۔ اسی وقت ایک مہربان خاتون اندر سے برآمد ہوئیں اور مجھے اپنے ساتھ اندر لے آئیں تب میری جان بخشی ہوئی۔

''چندا ماما! آپ بری جگہ پھنسے، یہ خرانٹ انکل تو واقعی ولن ہیں۔''

میں نے دل میں سوچا تھا۔ خاتون، اس زہرہ جبیں، نازنین، چاند چہرہ، ستارہ آنکھوں اور دراز زلفوں والی حسینہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ مجھ سے بڑے پرتپاک انداز میں اور بے حد محبت سے ملیں تو میرے دل کو ایک طرف سے اطمینان ہوا چلو کم از کم والدہ تو انسانوں کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ خرانٹ انکل ریٹائرڈ بیوروکریٹ تھے اور ریٹائرمنٹ کے بعد سے اب اپنا سارا وقت گھر پر باغبانی کرتے ہوئے یا پھر اسٹڈی میں کتابیں پڑھتے ہوئے گزارا کرتے تھے۔ ہم لوگوں کی باتوں کی آوازیں سن کر وہ خود ہی اندر سے آ گئی تھی۔ دور سے دیکھنے میں وہ جتنی خوبصورت لگی تھی قریب سے اس سے بھی کہیں زیادہ حسین تھی۔

میں نے سسرالی نگاہوں سے اس کا ہر ہر زاویہ سے بغور جائزہ لے کر اسے اے پلس دے دیا تھا۔ نام بھی اس کا بڑا پیارا تھا گل رخ۔ سائیکالوجی میں ماسٹرز کر رہی تھی۔ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد۔ میں نے اس کے اکلوتے ہونے پر بڑے رشک سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ کتنا شوق تھا مجھے اکلوتا ہونے کا مگر اپنے سے چھوٹے چھ عدد بہن بھائی میرے اس شوق کی راہ میں عرصہ دراز سے حائل تھے۔ کسی بھی معقول قسم کے افسانے، ناول یا فلم کو اٹھا کر دیکھ لیں۔ ہیروئن امیر والدین کی اکلوتی بیٹی ہوتی ہے۔ چلو نانی بیچاری نے تو بیٹے کی آس میں خیر سے سات بچوں کو جنم دیا تھا اور پھر ہو سکتا ہے اس زمانے میں ''چابیاں'' نہ ہوتی ہوں مگر ممی اور تمام خالائیں اس طرح نانی کے نقشِ قدم پر چلی تھیں کہ ایسا لگا کرتا تھا کہ اگر سات کا ہندسہ عبور نہیں کیا تو ناک کٹ جائے گی اور اچھی خالہ تو اس معاملہ میں نانی کو بھی پیچھے چھوڑ گئی تھیں۔ ان کے ہاں پوری کرکٹ ٹیم تھی بمعہ ایک عدد ایکسٹرا کھلاڑی کے۔ چندا ماما تو کئی مرتبہ بڑی سنجیدگی سے اچھی خالہ کو مشورہ دے چکے تھے۔

''آپا! ایسا کریں، بچوں کی شرٹس کے پیچھے نمبر ڈلوا دیں، ایک سے لے کر بارہ تک۔ اس طرح آپ کو بھی بچوں کو بلانے میں مشکل نہیں آئے گی جسے بھی بلانا ہوا اس کے نمبر سے پکار کر بلا لیا اور ہمیں بھی بارہ نام یاد رکھنے کے جھنجھٹ سے چھٹکارہ مل جائے گا۔''

اور ان کے اس سنجیدہ مذاق پر اچھی خالہ کے تمام بچے کھی کھی کر کے ہنسنے لگتے تھے جبکہ نانی اور اچھی خالہ کا غصے سے برا حال ہو جاتا تھا۔

''کیسے میرے بچوں کو نظر لگا رہا ہے یہ، دیکھیں اماں۔''

وہ آنکھوں میں آنسو بھر لاتیں اور نانی چندا ماما کی کلاس لینا شروع ہو جاتیں۔ میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی اور مجھ سے چھوٹے چھ کے چھ شیطان کے چیلے۔ جاسوسی میں تو ان سے زیادہ ماہر کوئی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ اپنے ہی گھر میں ڈش اور کیبل ہونے کے باوجود سارا وقت بی بی سی، نیشنل جیوگرافک، اسٹار اسپورٹس اور کبھی کبھار کروڑپتی دیکھنے کی اجازت تھی وہ بھی ممی نے اس وجہ سے دے دی تھی۔

''اچھا پروگرام ہے اس سے جنرل نالج بڑھے گی۔''

پتا نہیں ممی کو ہم سب بہن بھائیوں خصوصاً میری معلومات بڑھانے کا اس قدر شوق کیوں تھا۔

''ہاں یہ پڑھو، اس سے معلومات بڑھے گی۔''

''ہاں یہ دیکھو اس سے انفارمیشن ملے گی۔'' گویا معلومات عامہ کا نوبل پرائز مجھے جتوا کر ہی دم لیں گی اور اگر کبھی ممی کی نظر بچا کر موودی میجک، اسٹار موویز یا کوئی اور چینل لگا لیتی تو میرا کوئی نہ کوئی چغل خور بہن بھائی اچانک وہاں آ دھمکتا۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر جہاں بندے کو ''پرائیویسی'' بھی میسر نہ ہو۔

ہم پانچ دوستوں کے گروپ میں زارا ہی وہ خوش قسمت لڑکی تھی جسے اکلوتے ہونے کا شرف حاصل تھا اور اکثر ہم سب فرینڈ زا سی کے گھر جمع ہوا کرتے تھے۔ اسی کے گھر جا کر ہم نے پاکستانی فلمیں ''کھلونا'' اور ''انتہا'' دیکھی تھیں۔ جنہوں نے یہ فلمیں دیکھی ہیں وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ انہیں دیکھنے کے لیے زارا کے گھر جانا کیوں ضروری تھا۔ آسکر ایوارڈ کی تقریب ہوئی تو وہ دیکھنے بھی ہم سب زارا ہی کے گھر جمع ہوئے تھے۔ اپنے گھر میں تو میں یہ پروگرام دیکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''ماشاء اللہ جولیا رابرٹس کتنی خوبصورت لگ رہی تھی۔'' فرحین کے اوپر اپنی دادی کا بڑا اثر تھا اور ان سے سیکھ سیکھ کر اس نے ہر بات میں ماشاء اللہ، جزاک اللہ، سبحان اللہ بولنا تو سیکھ لیا تھا مگر یہ الفاظ کن موقعوں پر بولے جاتے ہیں وہ اسے بالکل نہیں پتا تھا۔ ''جولیا رابرٹس'' کے لیے ماشاء اللہ بولنے پر ہم سب ہی ہاتھ پاؤں دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئے تھے مگر وہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ ہم لوگوں کے ٹوکنے کے باوجود اس کی عادت نہیں چھوٹی تھی۔

''جزاک اللہ، آج تو کیبل پر چھبیس چینل آ رہے ہیں۔'' وہ معصومیت سے کہتی اور ہم سب سر پکڑ کر بیٹھ جاتے۔

☆

شام کی چائے پیتے ہوئے میں نے چندا ماما کو بڑے سرسری انداز میں بتایا۔

''آج میں سامنے والوں کے گھر گئی تھی۔'' وہ جو اتنی دیر سے مجھے نظر انداز کیے ڈان کا اکانومی کا صفحہ کھولے بیٹھے تھے ایک دم اخبار ٹیبل پر رکھ دیا اور پوری طرح میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولے۔

''کیا کہا، سامنے والوں کے؟'' وہ بے یقینی سے پوچھ رہے تھے۔

''جی سامنے والوں کے، آپ کو اتنی حیرت کیوں ہو رہی ہے۔ میں بور ہو رہی تھی۔ سوچا سامنے والوں کے ہاں ہو آؤں۔ پھر وہاں ایک لڑکی بھی ہے اس لیے مجھے جا کر مزہ بھی آیا۔'' میرا انداز پھر لاپرواہ سا تھا۔

''اچھا پھر کیا ہوا، کیسے ہیں وہ لوگ؟'' وہ بے تابی سے پوچھ رہے تھے۔

مجھے پتا تھا لوگوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں وہ صرف گل رخ کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں مگر میں بھی آخر ان ہی کی بھانجی تھی۔

''ہاں اچھے لوگ ہیں۔'' کہہ کر اس طرح خاموش ہو گئی جس طرح ہمارے ہاں کے سیاست دان کسی بھی بات کا گول مول جواب دے کر چپ ہو جاتے ہیں۔ وہ بے چارے براہِ راست کچھ پوچھ بھی نہیں سکتے تھے مگر بے چینی ان کے ہر انداز سے ہویدا تھی۔

''گل رخ بھی بہت اچھی نیچر کی ہے۔'' میں نے شعلوں کو ہوا دی تو وہ جو مایوس ہونے لگے تھے ایک دم مسکرا اٹھے تھے۔

''چندا ماما! موسم کتنا ابر آلود ہو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے خوب زوردار بارش ہو گی۔''

میں نے پھر ان کے ارمانوں پر اوس ڈال دی تھی۔ اچانک ان کی نظر میرے چہرے کی شرارتی مسکراہٹ پر پڑی تو وہ میرا کان پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولے۔

''ابھی بتاتا ہوں تمہیں، شیطان کی نانی۔''

''اچھا میرا کان تو چھوڑیں اور ویسے میں شیطان کی نانی نہیں نواسی ہوں۔'' میں نے درد سے چیختے ہوئے کہا تھا۔ انہوں نے میرا کان چھوڑ دیا تھا۔

''آج ہی اماں کو فون کر کے بتاؤں گا یہ آپ کو شیطان کہہ رہی تھی۔'' انہوں نے دھمکی دی تھی۔

''میں نانی کو تھوڑی کہہ رہی ہوں، میں تو نانا جان کو کہہ رہی تھی اور انہیں شیطان کہنے پر تو نانی ہرگز ناراض نہیں ہوں گی۔ ہر وقت تو نانا جان مرحوم کی برائیاں ہم لوگوں سے کرتی رہتی ہیں۔''

میں نے کمال اطمینان سے کہا تھا اور یہی بات پچھلے دنوں میں نے نانی سے کہی تھی تو ان کے پتنگے لگ گئے تھے۔ ہوا یہ تھا کہ کسی بات پر میں نے نانا جان کی برائیاں کرنی شروع کر دی تھیں۔ خیال تھا اس سے نانی خوش ہوں گی مگر ہماری نانی نے بھی عجیب دماغ پایا ہے۔ خود چاہے نانا جان کی شان میں کچھ بھی کہہ لیں، کوئی دوسرا ''سرتاج کو کچھ نہ کہے۔'' انہوں نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا تو میں نے منہ پھٹ انداز میں کہہ دیا تھا۔

''خود ہی نے تو ہر وقت نانا جان کی برائیاں کر کر کے ہم لوگوں کا دل ان کی طرف سے کھٹا کرایا ہے اب خود ہی برا مان رہی ہیں۔''

اور میری اس بات پر پھر جو نانی، اچھی خالہ، پیاری آنٹی اور ممی نے مل کر مجھے صلواتیں سنائی تھیں وہ ضبط تحریر میں لانے کے قابل نہیں۔

''صاف صاف بتاؤ، تم گل رخ کے گھر کیوں گئی تھیں؟'' چندا ماما نے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے رعب سے پوچھا تھا۔

''او ہو گل رخ!'' میں شوخی سے کہہ کر کھنکاری تھی۔ وہ ایک پل کو تھوڑے سے کھسیانے ہوئے پھر دوبارہ ماموؤں والا رعب و دبدبہ چہرے پر لے آئے۔

''عرشی! میں بہت سنجیدہ ہوں۔'' وہ غصے سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

''اس کا اندازہ تو مجھے کراچی ہی میں ہو گیا تھا ماما داگریٹ۔'' میں نے ان کی سنجیدگی اور غصے کو خاطر میں لائے بغیر مسخرے پن سے کہا تھا۔

''اوئے مامے! فکر نہ کر ابھی تیری بھانجی زندہ ہے۔'' میں نے سلطان راہی کے اسٹائل میں بڑھک مارنے کی کوشش کی تھی۔

''خدا کے لیے عرشی! فضول باتیں مت کرو۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولے تھے۔ ان کی سنجیدگی اور رنجیدگی نے مجھے بھی سنجیدہ ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

''چندا ماما! آخر پرابلم ہے کیا؟''

''ان کے گھر ہو آئیں پھر بھی پرابلم پوچھ رہی ہو۔ وہاں یک نہ شد دو دو پرابلمز ہیں۔ ایک وہ چنگیز خان اور دوسرا وہ منحوس کتا۔'' وہ غصے

سے پھٹ پڑے تھے۔

''بندہ بات کرنے یا کوئی بھی اور پیش رفت کرنے کی جرأت کرہی نہیں سکتا۔اسے کہیں اکیلے آنے جانے کی اجازت نہیں ہے، یونیورسٹی ابا کی زیرنگرانی ڈرائیور کے ساتھ جاتی ہے اور گھر سے باہر بھی ہر وقت وہ جلاّد ابا اور خطرناک کتا ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔'' وہ تو پتا نہیں کب سے بھرے بیٹھے تھے۔

''آپ کا طریقہ کار ہی غلط ہے۔آپ کو پہلے ابا سے رسم وراہ بڑھانی چاہیے تھی۔''میں نے اپنی رائے پیش کی تھی۔

''کیا کروں اسٹارٹ میں ہی ان کے اوپر میرا امپریشن لاابالی اور غیر سنجیدہ بندے کا پڑ چکا ہے۔اب سڑک پر خوشگوار موڈ میں انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اگر ان کا کتا میری گاڑی کے نیچے آتے آتے بچا تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔میں اسے کوئی جان کر تو مارنا نہیں چاہتا تھا اور اس وقت مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ چنگیز خان ''اس'' کے والد بزرگوار ہیں۔'' وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہے تھے۔

''لیکن ایسے کیسے کام چلے گا۔اگر آپ ابا اور کتے سے ڈرتے رہے تو لگ چکی آپ کی نیا پار۔''میں نے انہیں غیرت دلانے کی کوشش کی۔

''وہ ابا کی موٹی سی چھڑی دیکھی ہے جو وہ بغل میں دبائے رکھتے ہیں اور اس خبیث کی موٹی موٹی لال انگارہ آنکھیں دیکھی ہیں، اچھے بھلے بندے کا پتا پانی کرسکتی ہیں یہ دونوں چیزیں۔''انہوں نے غم زدہ انداز میں کہا تھا۔مجھے چندا ماما کی یہ بزدلانہ باتیں ایک آنکھ نہ بھا رہی تھیں۔

''چندا ماما! آپ بھول گئے کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے۔''

میں نے مشہور تاریخی جملہ بڑی شان سے اکڑ کر کرسی پر سے کھڑے ہوکر کہا تھا اور چندا ماما میرے اسٹائل پر بے اختیار ہنس پڑے تھے۔

☆

چندا ماما سے تو کچھ ہونے والا نہیں۔اب مجھے ہی ان کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی پیش رفت کرنی تھی۔بڑی سوچ بچار اور غور وفکر کے بعد میرے انسیلکچوئل دماغ میں ایک آئیڈیا آ ہی گیا تھا۔اگلے روز دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد میں ایک مرتبہ پھر گل رخ کے گھر میں موجود تھی۔خرانٹ انکل جن کا نام آفتاب محسن تھا قیلولہ فرما رہے تھے اور ان کا فیوریٹ میکس بھی کچھ اچھے موڈ میں تھا اس لیے زیادہ غرایا نہیں تھا۔آنٹی سے دعا سلام کرکے میں گل رخ کے پاس چلی آئی تھی۔وہ ابھی ابھی یونیورسٹی سے آئی تھی۔میری طرف دیکھ کر دوستانہ انداز میں مسکرا کر بولی۔

''آؤ عرشیہ! بیٹھو۔''میں اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد جب میں اصل بات کی طرف آئی تو وہ ہونق سی شکل بنا کر میری طرف دیکھنے لگی۔

''ایسا کیسے ہوسکتا ہے عرشیہ؟''وہ میری بات پر کچھ پریشان سی ہوگئی تھی۔

''کیوں نہیں ہوسکتا گل! آخر اس میں ناممکن کیا ہے۔ساری بات تو میں آپ کو بتا چکی ہوں۔''میں نے اپنی بات پر زور دیا تھا۔

''تم انہیں کسی اچھے سائیکاٹرسٹ کو دکھاؤ، میں تو ابھی پڑھ رہی ہوں، ابھی میرا لاسٹ سمسٹر چل رہا ہے اور کتابوں سے ہٹ کر اپنے پروفیشن سے متعلق تو میری معلومات اور علم بہت ناقص ہے۔''وہ کسی صورت ماننے کے لیے تیار نہ تھی۔

''گل! اگر آپ چندا ماما کی حالت، ان کا اضطراب اور بے چینی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو کبھی انکار نہ کریں، کیا بتاؤں میرے ماما نے اتنی سی عمر میں کتنے بڑے بڑے دکھ جھیلے ہیں۔ سوتیلی ماں نے ان پر بچپن میں اتنے ظلم ڈھائے، انہیں اتنی اذیتیں دیں کہ وہ آج تک ان ہی کے حصار میں ہیں۔''

نانی اگر میری یہ ہرزہ سرائیاں سن لیں تو دس جوتے ماریں گی، میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ گل رخ خاموشی سے بیٹھی میری باتیں سن رہی تھی۔

''ان کا بچپن سوتیلی ماں کے ظلم وستم اور سوتیلے بہن بھائیوں کے اذیت ناک سلوک کو برداشت کرتے ہوئے گزرا ہے۔ نانی انہیں اسکول بھی نہیں جانے دیتی تھیں۔ سارے گھر کا کام، سودا سلف لانا سب کچھ بے چارے ماما کو کرنا پڑتا تھا۔ کتنی مشکلوں سے سب سے چھپ چھپا کر انہوں نے پرائیویٹ تعلیم حاصل کی۔ نائٹ کالجوں میں پڑھا۔ اپنے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لیے لوگوں کے گھروں میں اخبار ڈالے، مزدوری کی، محنت کی۔ میں کہاں تک بتاؤں چندا ماما کی داستانِ حیات غموں کا مجموعہ ہے۔ بچپن کے ان ہی ناسازگار حالات اور لوگوں کے برے رویوں نے انہیں نفسیاتی مریض بنا دیا ہے مگر وہ یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ انہیں کوئی نفسیاتی بیماری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم انہیں کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جا کر باقاعدہ ان کا ٹریٹمنٹ نہیں کروا سکتے۔ اس طرح ان کو ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتی تھی کہ آپ گھر بظاہر میری فرینڈ بن کر آیا کریں اور باتوں باتوں میں چندا ماما کا علاج بھی کر دیں۔ دیکھیں اس طرح جہاں چندا ماما کا مسئلہ حل ہو جائے گا وہیں آپ کو بھی تو اپنی پڑھائی استعمال کرنے کا موقع ملے گا اور ہم سب جو دعائیں آپ کو دیں گے وہ الگ ہیں۔''

میں نے تفصیلی خطاب فرمایا تھا۔ وہ میری باتوں سے کچھ کچھ قائل نظر آنے لگی تھی۔ چندا ماما کا ''دکھ بھرا بچپن'' سن کر باقاعدہ اس کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں۔ واقعی وہ بہت معصوم اور سیدھی سی تھی اور ہم ماموں بھانجی کچھ زیادہ ہی چالاک۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے عرشیہ! لیکن پاپا......'' وہ کچھ جھجکتے ہوئے بولی تھی۔

''آپ انکل کی فکر مت کریں، وہ میں سنبھال لوں گی، آپ اپنا بتائیں۔''

میں نے اس کی الجھن رفع کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اس بات پر کچھ شرمندہ سی نظر آنے لگی تھی کہ میں ایک دو ملاقاتوں میں ہی اس کے پاپا کی جلاد فطرت سے واقف ہو چکی ہوں حالانکہ وہ ناحق ہی شرمسار ہو رہی تھی۔ اس کے پاپا جس قسم کی شخصیت تھے ان سے ملنے والا کوئی بھی شخص ان کی فطرت کا اندازہ محض دو منٹ ہی میں لگا لیا کرتا ہوگا۔ میں نے اسے شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر مزید دکھیاری شکل بنائی اور بولی۔

''ابھی تو میں نے صرف مختصر لفظوں میں آپ کو چندا ماما پر گزرے حالات سنائے ہیں اگر میں تفصیل سنانے بیٹھ جاؤں تو آپ روز پٹیل کا پورا ڈبا خالی کر دیں گی، کیسے کیسے انہوں نے ستم اٹھائے ہیں۔''

اپنی بات کے بے تکے ہونے کا احساس مجھے تو ہو گیا تھا مگر وہ بے چاری بڑے افسوس سے سب کچھ سن رہی تھی۔

''اچھا تو وہ تمہارے سوتیلے ماموں ہیں۔'' اس نے کافی دیر بعد سوال پوچھا تھا۔

''نہیں میری ممی اور چندا ماما دونوں سگے بہن بھائی ہیں، باقی سب بہن بھائی سوتیلے ہیں، ہمارے نانا نے دوسری شادی کی تھی نا۔''

میں نے مرحوم نانا جان کو بھی اس قصے میں شامل کر لیا تھا، کوئی بات نہیں یہ جھوٹ میں دو دلوں کو ملانے کے لیے بول رہی ہوں، اس پر یقیناً گناہ نہیں ملے گا۔ میں نے خود کو اطمینان دلایا تھا۔

''نانی، ممی اور چندا ماما کو گھر کے پیچھے بنے اسٹور میں بند کر دیا کرتی تھیں اور کئی کئی وقت کھانا بھی نہیں دیتی تھیں۔ ممی تو جیسے جیسے بڑی ہوئیں نارمل ہوتی گئیں مگر چندا ماما نے ان تمام حالات کو دل پر لے لیا۔ ان کا نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی ہابیز (مشاغل)۔ آفس سے آکر وہ سارا وقت تنہا رہتے ہیں۔ شادی کے نام سے الرجک ہیں اور ہم میں سے کوئی کہے تو غصے میں آجاتے ہیں کہ تم لوگ مجھے پاگل سمجھتے ہو۔''

میری سنجیدگی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہاں سے اٹھتے وقت تک میں گل رخ کو ماما کے ''علاج'' کے لیے قائل کر چکی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسے کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں، یہاں تک کہ اپنی فرینڈز کے گھر بھی نہیں اور یہ ذمہ داری میں نے قبول کی تھی کہ اسے ہمارے گھر آنے جانے کی اجازت انکل سے میں دلواؤں گی۔

رات کو چندا ماما سے کہہ کر سوئی تھی صبح مجھے جلدی اٹھا دیجئے گا۔ ان کے لاکھ پوچھنے پر بھی میں نے اپنا پلان انہیں نہیں بتایا تھا۔ وعدے کے مطابق چندا ماما نے مجھے صبح سویرے جگا دیا تھا۔ وہ لان میں ایکسر سائز کر رہے تھے، جب میں سویٹر کے اوپر شال لپیٹ کر خود کو سردی سے بچانے کی تدبیر کرتے ہوئے گیٹ کی طرف جانے لگی۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' وہ دور سے چلائے تھے۔

''واک کرنے۔'' میں نے شانِ بے نیازی سے جواب دیا۔

''اکیلے، اچھا رکو میں بھی آ رہا ہوں۔''

''چندا ماما پلیز، آپ کو نہیں پتا، میں کسی خاص مشن پر جا رہی ہوں، آپ کی موجودگی سے نقص امن کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔'' میرے جواب پر بجائے خوش ہونے کے وہ پریشان ہو گئے۔

''ارے اب کیا کرنے جا رہی ہو آفت کی پر کالہ! دیکھو مروامت دینا۔''

ان کے شک وشبے پر مجھے غصہ تو بہت آیا مگر خیر اکلوتے ماموں ہیں جن کی شادی کا نانی، ممی، تمام خالاؤں اور ان کے ڈھر سارے بچوں کو بڑی شدتوں سے انتظار ہے۔ کیا اہلِ برطانیہ نے لیڈی ڈیانا اور پرنس چارلس کی شادی کا جشن منایا تھا جو ہم منائیں گے۔ میرا خیال ہے چندا ماما کی شادی اتنی منفرد اور شاندار ہوگی کہ گینز بک میں اس شادی کا احوال ایک انوکھی شادی کے طور پر شامل کیا جائے گا۔

''گڈ مارننگ انکل!'' میں نے خرانٹ انکل میرا مطلب ہے آفتاب انکل کو مخاطب کیا۔ میکس کی زنجیر تھامے وہ اپنے گھر سے تین چار گھر آگے نکل گئے تھے۔ میرے گڈ مارننگ کے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے وہ مجھے گھور کر دیکھ رہے تھے، غالباً انہیں یہ بے تکلف اندازِ تخاطب پسند نہیں آیا تھا۔ میں بظاہر خود کو بہت لاپرواہ اور پر اعتماد پوز کر رہی تھی ورنہ دل تو سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا، ایک وہ خطرناک اوپر سے ان کا کتا وہ سوا

خطرناک۔

''واؤ، سوکیوٹ۔''میں نے میکس کے سر پرڈرتے ڈرتے ہاتھ پھیرا۔ کتوں سے مجھے کتنا ڈر لگتا تھا اور یہاں تو تھا بھی پلا پلایا یہ پہلوان کتا۔

''انکل! آپ نے اسے کہاں سے خریدا، کسی بہت اچھی نسل کا معلوم ہو رہا ہے۔ لگتا ہے بہت مہنگا خریدا ہوگا۔''میں نے اس کی شان میں قصیدہ پڑھا تھا۔

''اسے میں نے خریدا نہیں ہے، یہ میرے ہی گھر میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں کو میں اسپین سے خرید کرلایا تھا۔''وہ ناک چڑھا کر فخر سے بولے تھے۔

''میں نے آج تک کی زندگی میں بڑے بڑے کتے دیکھے ہیں مگر یہ کتا تو ان سب سے بڑھ کر کتا ہے۔ کیا ہائٹ ہے کیا مضبوط جسامت ہے، کیا چال میں وقار اور خاندانی جاہ وجلال کی چمک ہے۔''

میں نے اس کی شان میں پھر زمین آسمان ایک کیے مگر وہ خوش ہونے کے بجائے منہ بنا کر بولے۔

''یہ کیا تم اسے کتا کتا کہہ رہی ہو، اس کا نام میکس ہے۔''

لو جی اب کتے کو کتا نہ کہیں تو کیا شیر کہیں۔ خیر یہاں ان سے اختلاف کرنے تو آئی ہی نہیں تھی اس لیے فوراً معذرت کرلی۔ پھر سارا وقت میں ان سے میکس کے بارے میں باتیں کرتی رہی تھی۔ اپنی سادگی میں گل رخ مجھے بتا چکی تھی کہ اس کے والد محترم اگر دنیا میں کسی سے سچی محبت کرتے ہیں تو وہ میکس ہے اور اس کے بارے میں اگر ان سے گھنٹوں بات کی جائے تو وہ کرلیں گے۔ میں نے چالاکی سے یہ اہم ترین پوائنٹ نوٹ کرلیا تھا اور اس میں مجھے کافی حد تک کامیابی بھی ہوئی تھی۔ میں نے گھنٹہ بھر تک ان کے ساتھ واک کرتے ہوئے۔

''میکس کیا کھاتا ہے؟''

''میکس کیا پیتا ہے؟''

''دودھ اسے کیسا پسند ہے۔''

''اس کے لیے پانی باہر سے آتا ہے۔''

''ہر مہینے اس کا میڈیکل چیک اپ ہوتا ہے۔''

وغیرہ وغیرہ سنا تھا۔ گھر جانے تک میرا سر پلپلا ہو چکا تھا۔

تین دن متواتر ان کے ساتھ مارننگ واک کرکے''میکس نامہ''سننے کے بعد آخرکار میں نے اپنی اور گل رخ کی دوستی کا ذکر کرکے کہا تھا۔

''انکل! اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میں اور گل رخ ایک دوسرے کے گھر آجایا کریں۔''

اور میں اب چونکہ ان کی گڈ بکس میں آچکی تھی اس لیے انہوں نے فوراً اجازت دے دی تھی۔ وہ مجھ سے بہت خوش تھے، میری تعریفیں بھی کرنے لگے تھے ان کا خیال تھا کہ میں ایک ذہین اور جوہر شناس لڑکی ہوں، میکس کی جو خوبیاں مجھے نظر آئی ہیں وہ خود ان کے علاوہ آج تک کبھی کسی

اور کو نظر نہیں آئیں۔

میں نے گل کو یہ خوش خبری سنائی تو وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی تھی۔

''یہ تو بہت حیران کن ہے، تم واقعی جینئس ہو عرشیہ۔''

چندا ماما نے پہلے دن کے بعد سے مجھے نہیں ٹوکا تھا، وہ خاموشی سے میری کارکردگی ملاحظہ کر رہے تھے۔

اگلے روز شام میں گل رخ کا ہمارے گھر آنا ہماری کامیابی کی پہلی سیڑھی تھی۔ اس ظالم جادوگر کی قید سے اس معصوم شہزادی کو چند گھنٹوں ہی کے لیے سہی چھٹکارا تو نصیب ہوا تھا۔ چندا ماما پر شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری تھی۔ مارے خوشی کے وہ عجیب ہونقوں والی حرکتیں کر رہے تھے۔

''آپ یہاں آ جائیں، وہاں دھوپ ہے۔''

وہ جھٹ اپنی کرسی پر سے کھڑے ہوئے تھے حالانکہ دھوپ ڈھلے خاصی دیر ہو چکی تھی اور اب لان میں بڑی خوشگوار اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس کے انکار میں کچھ کہنے سے قبل ہی وہ دوسری کرسی کی طرف بڑھے اور سائیڈ میں رکھے گملے سے ٹکرائے۔ چندا ماما کی حرکتیں مجھے ''حسینہ معین'' کے ''قباچہ'' کی یاد دلا رہی تھیں۔ چلو وہ تو قباچہ تھا یہ تو حسن منیر، بے حد ہینڈسم، کوالیفائیڈ اور اعلیٰ سرکاری افسر تھے۔ یہ حرکتیں کرتے وہ اچھے تو نہیں لگ رہے تھے۔ واقعی عشق اچھے اچھوں کے دماغ میں خلل ڈال کر بندے سے عجوبہ حرکتیں کروانے لگتا ہے۔ میں ایک دم اٹھ کر لاؤنج میں اس طرح گئی تھی جیسے کوئی کام یاد آ گیا ہو، دو تین منٹ تک لاؤنج میں یونہی بیٹھے رہنے کے بعد میں نے چندا ماما کو آواز لگائی تھی۔

''آپ کا فون ہے۔''

وہ اندر آئے تو میں صوفے پر سے اٹھ کر غصے میں بولی۔

''کیا کر رہے ہیں آپ چندا ماما! سارا بنا بنایا امپریشن خراب کروائیں گے۔ میں نے اس کے سامنے آپ کی کتنی تعریفیں کی تھیں کہ میرے ماما بہت سوبر اور کم گو ہیں، کسی سے بھی جلدی بے تکلف نہیں ہوتے، اگر کوئی ان کے معیار پر پورا اترتا ہے تو بات کرتے ہیں ورنہ چپ بیٹھے رہتے ہیں اور آپ قباچہ اور حسنات بھائی بن رہے ہیں۔''

چندا ماما کھسیا کر سر کھجاتے ہوئے بولے۔

''یار بھانجی! اچانک خوشی برداشت نہیں ہو رہی تھی، چلو اب پرامس بالکل سیریس رہوں گا۔''

''اور اس سے زیادہ بات بھی مت کیجیے گا۔ لڑکیاں ایسے مردوں کی طرف زیادہ اٹریکٹ ہوتی ہیں جو انہیں نظر انداز کریں اور جن میں اکڑ اور غرور نظر آتا ہو۔''

میں نے چندا ماما کو گر کی باتیں بتائی تھیں۔ وہ میرے مشوروں پر ہنس رہے تھے۔ ہم دونوں ماموں بھانجی کی میٹنگ ختم ہوئی تو ہم واپس لان میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ میں چندا ماما کے لیے بھی کپ میں چائے نکالنے لگی تو وہ بولے۔

''نہیں عرشی! آپ لوگ چائے پئیں، مجھے صالح کے ساتھ اسکواش کھیلنے جانا ہے۔''

ہفتے میں ایک دو بار وہ صالح بھائی کے ساتھ اسکواش کھیلنے جایا تو کرتے تھے مگر آج جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں مسکرا دی تھی، چلو چندا ماما پر میری نصیحتوں کا کچھ تو اثر ہوا۔ وہ اندر سے اپنا ریکٹ اٹھا کر گھماتے ہوئے پورٹیکو کی طرف بڑھ گئے اور ہمیں وہیں سے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہہ دیا۔

رات کو میں اور چندا ماما نگی آنٹی، فیصل اور سعدیہ کے ساتھ چیٹنگ کر رہے تھے۔ تین سال قبل ہی نگی آنٹی کی فیملی امریکہ شفٹ ہوگئی تھی۔ پتا نہیں یہ سارے پاکستانیوں کو امریکہ اور کینیڈا کا کیا خبط سوار ہوا ہے۔ لگتا ہے کچھ عرصے بعد ساری عوام امریکہ اور کینیڈا منتقل ہو جائے گی اور پاکستان میں صرف خالی خزانے کا رونا رونے والے حکمران ہی رہ جائیں گے۔ ان لوگوں کے ساتھ چیٹنگ کرتے ہوئے مجھے اچانک ہی رضا کا خیال آیا تھا۔

''کیسا سب کے سامنے معصوم بنتا تھا، نیک، شریف اور پڑھاکو۔ ممی بھی کہہ رہی تھیں کہ آج کل اتنے شریف لڑکے کہاں ہوتے ہیں۔ ٹی وی پر بھی سوائے اسپورٹس اور منتخب اور معیاری فلموں کے کچھ نہیں دیکھتا اور انٹرنیٹ پر بھی صرف اچھی اچھی معلوماتی سائٹس پر جاتا ہے۔ ممی نے ایک دو بار اسے اسی کے گھر پر انٹرنیٹ پر اس کا کوئی اسائنمنٹ بناتے ہوئے دیکھا تھا۔ اپنے اسائنمنٹ کے لیے معلومات اکٹھی کر کے وہ مختلف چیزیں ڈاؤن لوڈ بھی کر رہا تھا۔ واہ رے ممی کی سادگی انہیں یہ نہیں پتا کی موصوف چیٹنگ کے لیے کیفے جاتے ہیں۔ گھر پر معیز بھائی کے ہوتے ہوئے وہ چیٹنگ کر سکتا ہے اور تو اور اس نے بلال کو بھی اپنی لائن پر لگا لیا تھا۔ آنے سے ایک روز پہلے میں نے بلال کو اس کے کسی دوست سے فون پر باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔

''ہاں یار! سات بجے کیفے پر ملنا ہے۔ ہاں رضا بھائی بھی وہیں ہوں گے۔ نہیں بس شاہین سے تو میں بور ہوگیا، پیچھے ہی پڑ گئی ہے۔''

وہ اور بھی پتا نہیں کیا کیا کہہ رہا تھا۔ چلو جی بی مینڈ کی کو بھی زکام ہوا۔ پندرہ سالہ بلال نیٹ پر عشق لڑانے کے قابل تو ہوگئے۔ خود تو بگڑا ہوا تھا ہی میرے بھائی کو بھی خراب کر رہا ہے۔ میں نے جل کر سوچا تھا۔ اس وقت تو چندا ماما کی پریشانی میں میں ممی سے شکایت نہیں کر سکی تھی اب ارادہ تھا کہ جاتے ہی ممی اور عفت آنٹی دونوں سے شکایت کروں گی۔ ابھی میں یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ فون کی بیل بجی۔ میں نے اٹھ کر فون اٹینڈ کیا تو دوسری طرف جنید جمشید تھا۔

''نہ تو آئے گی نہ ہی چین آئے گا۔''

جنید جمشید کی سریلی آواز کی لے میں ایک پل کو تو میں کھو گئی پھر جیسے ہی خیال آیا فوراً نمبر پر نظریں دوڑائیں کہ کون کر رہا ہے۔ خیال تھا کہ میری کوئی سی چھچھوری دوست یا بہن بھائی ہوگا مگر ٹیلی فون اسکرین میں لکھا نمبر ان میں سے کسی کا بھی نہیں تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا موبائل سے فون کر رہا تھا۔ میں نے بغیر کچھ کہے ریسیور واپس رکھ دیا تھا۔

''کس کا تھا؟'' نگی آنٹی کی باتوں کا جواب ٹائپ کرتے چندا ماما نے مجھے مخاطب کیا تھا۔

''پتا نہیں لائن کلیئر نہیں تھی، صحیح سے آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔''

میں نے فوراً جھوٹ بولا تھا۔ ایک تو ہمارے خاندان کے مردوں میں اور کچھ ہے یا نہیں انتہا پسندی کی حد تک غیرت ضرور موجود ہے اور یہ

چندا ماما تو سب سے سوا ہیں۔ ان کی انتہا پسندی کا بیّن ثبوت تو وہ مشہور واقعہ ہے جو میرا آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا ہے۔ بہت سال پہلے کی بات ہے تب شاید میں آٹھ نو سال کی تھی، ایک مرتبہ چندا ماما نگی آنٹی کو ان کے کوچنگ سینٹر چھوڑنے جا رہے تھے جو نانی کے گھر سے قریب ہی تھا۔ راستے میں کسی بے چارے کی کم بختی آئی اور اس نے یونہی تفریحاً نگی آنٹی کی دو چوٹیوں پر کوئی کمنٹس دے دیئے بس پھر تو چندا ماما نے جب تک مار مار کر اس کی ایسی کی تیسی نہیں کر دی اس وقت تک رکے نہیں تھے۔ نگی آنٹی اور میں رو رو کر بے حال ہو گئے تھے اور یہ واقعہ اور اسی جیسے دوسرے کئی واقعات مجھ سے اس وقت بھی جھوٹ بلوا گئے تھے۔ پتا تھا نمبر تو سی ایل آئی کے ذریعے پہلے ہی ہمارے پاس آ ہی چکا ہے۔ وہ اس بے چارے کا جینا عذاب کر کے ہی دم لیں گے۔ کیا تھا بے چارہ معصوم مجھے جنید جمشید کا گانا ہی تو سنا رہا تھا اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔

☆

''پتا ہے عرشیہ! میرے ایک کزن ہیں بہت پڑھے لکھے، بہت جینئس اور کافی امیر اور اپنے اندر موجود اتنی ساری خوبیوں کے ہوتے ہوئے بھی زندگی سے نالاں رہتے ہیں۔ انہیں لوگوں سے شکوہ ہے۔ تقدیر سے شکایت ہے۔ مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے کہ اتنا کوالیفائیڈ اور میچور شخص زندگی کی سچائیوں کا سامنا بہادری سے کرنے کے بجائے سب سے ناراض کیوں رہتا ہے۔''

گل رخ باتیں تو مجھ سے کر رہی تھی مگر کن اکھیوں سے چندا ماما کی طرف اپنی باتوں کا اثر دیکھنے کی کوشش بھی کر رہی تھی۔ چندا ماما تو میرے سمجھانے کے بعد گل رخ کے آنے پر اسے اچھا خاصا نظر انداز کرنے لگے تھے۔ صرف رسمی سی بات چیت کر کے وہ وہاں سے چلے جاتے تھے۔

آج چھٹی کا دن تھا اور وہ اسٹڈی میں بیٹھے Laptop (دستی کمپیوٹر) پر کچھ کام کر رہے تھے۔ گل رخ آئی تو مجھ سے بولی۔

''اس طرح تمہارے ماما کا مسئلہ کیسے حل ہو گا وہ تو ہاتھ لگتے ہی نہیں ہیں۔''

چار دن سے وہ لگاتار آ رہی تھی اور ماما سے اس کی بات نہیں ہو پا رہی تھی۔ مجھے اس کی سادگی اور اپنے پروفیشن سے لگن پر بے اختیار پیار آ گیا تھا۔

''چندا ماما! میں اور گل یہاں بیٹھ جائیں۔''

میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اسٹڈی میں آ گئی تھی۔ چندا ماما نے سرسری نظروں سے ہم دونوں کی طرف دیکھ کر گردن ہلا دی تھی اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے۔ آخر ہیں ناں میرے ماما، ان کی شاندار ایکٹنگ پر تو مجھے بھی سچائی کا گمان ہو رہا تھا۔

''ان کے کوئی فرینڈز بھی نہیں ہیں۔ سب سے الگ تھلگ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے ہیں وہ۔ بھئی میں تو یہ کہتی ہوں کہ جو گزر گیا سو گزر گیا۔ گیا وقت اب دوبارہ تو نہیں آئے گا۔ اس گزرے ہوئے وقت کی یادوں میں کھو کر ہم اپنا آج اور آنے والا کل کیوں خراب کریں۔ کیوں حسن! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔''

مجھ سے بات کرتے کرتے وہ اچانک چندا ماما سے مخاطب ہوئی تھی۔ وہ بے چارے تو پہلے ہی اس ''داستانِ کزن'' کو اپنے کام میں مصروف ہونے کے باوجود بڑے تعجب سے سن رہے تھے۔ مزید حیرت انہیں اپنے مخاطب کیے جانے پر ہوئی تھی۔

''جی آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

انہوں نے مروّت میں آ کر یہ جواب دے تو دیا تھا مگر ان کی آنکھوں میں کچھ الجھن سی نظر آ رہی تھی۔ گل رخ ان کے تاثرات کو اپنی باتوں کے مثبت اثر سے تعبیر کر کے ایک دم خوش ہو گئی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید اس نے پتھر میں آتے ہی جونک لگا دی ہے۔

''اور تو اور وہ شادی کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔ بھئی اگر ایک عورت آپ کی زندگی میں بری آ گئی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ دنیا کی تمام عورتیں خراب ہیں۔ اچھے برے کہاں نہیں ہوتے۔ کیا مرد سارے اچھے ہوتے ہیں۔ اچھائی برائی کو عورت اور مرد کے پیمانے میں نہیں تولا جا سکتا۔''

چندا ماما اس کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے اس کی ذہنی حالت پر انہیں شبہ ہو اور وہ بے چاری جوشِ خطابت میں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بول گئی تھی۔ مجھ سے ہنسی روکنا دشوار تھا مگر ہنسی روکنی یوں ضروری تھی کہ اصلیت کھل جانے پر دونوں میں سے کسی ایک فریق نے بھی مجھے ہرگز نہیں چھوڑنا تھا۔ گل رخ کے جانے کے بعد میں کچن میں آ کر رات کے کھانے کے لیے اپنا اور چندا ماما کا فیورٹ سلاد بنانے لگی تھی۔ بند گوبھی، سلاد کے پتے، گاجر، زیتون، مشروم، بھٹے کے دانے اور مرغی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو مکس کر کے ان میں مایونیز اور نمک ملا کر اپنی بنائی ہوئی یہ سلاد مجھے بھی بہت اچھی لگا کرتی تھی اور چائے کے بعد یہی وہ واحد ڈش تھی جو میں بہت اچھی بناتی تھی۔ کھانا تو خانساماں پہلے ہی تیار کر چکا تھا۔

''یہ گل رخ کچھ کھسکی ہوئی سی نہیں ہے۔'' چندا ماما کچن ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھتے ہوئے بولے۔

میں نے بورڈ پر گاجروں کے چھوٹے چھوٹے چوکور ٹکڑے کرتے ہوئے ایک لمحے کو ان کی طرف دیکھا۔ وہ بغور میری طرف دیکھ رہے تھے یوں جیسے میرے چہرے کے تاثرات سے کوئی خاص بات اخذ کرنا چاہتے ہیں۔

''جی چندا ماما!'' میں نے سعادت مندی سے ان کی بات کی تائید کی تو وہ اٹھ کر میرے پاس آتے ہوئے بولے۔

''کیا جی؟'' ان کا انداز خاصا مشکوک تھا۔ میں قصداً ان سے دو چار قدم پیچھے ہٹ گئی تاکہ کسی بھی ممکنہ حملے سے فوراً بچ سکوں۔ وہ جو اتنی دیر سے میرے ہر ہر ایکشن اور ایکسپریشن پر خاصی گہری نگاہ رکھے ہوئے تھے ایک دم گہری سی سانس لے کر بولے۔

''اب کیا کر کے آئی ہو، صاف صاف خود ہی بتا دو۔''

''ایک تو چندا ماما! آپ کا ضرورت سے زیادہ ذہین ہونا ہمیشہ مجھے نقصان پہنچاتا ہے۔ ٹھیک ہے بندے کو تھوڑا بہت جینئس ہونا چاہیے مگر اتنا زیادہ کہ اگلا بندہ اپنی کوئی بات خفیہ رکھ ہی نہ پائے۔''

میں نے خاصا چڑ کر کہا تھا۔ ظاہر ہے پھر مجھے انہیں الف سے لے کر ے تک تمام رام کہانی سنانی پڑی تھی۔ چندا ماما کا بس نہیں چل رہا تھا کہ میرا سر پھاڑ دیں۔

''یہ تم میری مدد کر رہی ہو یا دوستی کی آڑ میں کب کی دشمنی نکال رہی ہو، نادان دوست اسے ہی کہا جاتا ہے۔ بجائے میرا کچھ اچھا امپریشن ڈالنے کے اس کے سامنے مجھے نفسیاتی مریض اور پاگل بتا رہی ہو۔'' وہ غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔

''نیکی برباد گناہ لازم۔ یہ تو وہی بات ہو گئی۔ اگر ایسا کچھ نہ کہتی تو وہ کبھی ہمارے گھر نہ آتی۔ آپ کو نہیں پتا اس کے اوپر اپنے ابا جان کا

کتنا اثر ہے۔ مجھ سے دوستی کے باوجود بھی وہ یہاں آنے پر کبھی آمادہ نہ ہوتی اگر میں اسے آپ کے نفسیاتی علاج کی ترغیب نہیں دیتی اور نفسیاتی بیماری تو ہمارے اردگرد کتنے لوگوں کو ہوتی ہے، ایسے لوگ پاگل تو نہیں کہلاتے۔ میں نے تو سوچا تھا اس طرح وہ روزانہ یہاں آیا کرے گی اور آپ لوگوں کو آپس میں بات چیت کرنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع ملے گا۔'' میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو وہ برا سا منہ بنا کر بولے۔

''اچھا اب رونے دھونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے سوچا اور میں نے سمجھا۔ اگر تمہارے سوچنے اور تمہارے سمجھنے پر ہم لوگ چلنے لگے تو ہو گیا کام۔''

وہ پیر پٹختے ہوئے کچن سے چلے گئے تھے۔ چندا ماما کی ناراضی میرے لیے سوہانِ روح تھی۔ بے اختیار میں وہیں کچن میں بیٹھ کر رونے لگی تھی۔

''رات کے کھانے کے لیے کیا پکا ہے؟'' چندا ماما کی آواز پر میں نے روتے روتے سر اٹھایا تھا، وہ پتیلی کا ڈھکن اٹھا کر اس میں جھانک رہے تھے۔

''مرغ چھولے۔'' میں نے دوپٹے سے ناک صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔ رو رو کر برا حال ہو گیا تھا اور چندا ماما، انہیں مجھ پر بالکل رحم نہیں آ رہا تھا۔

''چلو پھر بشیر سے کہو کھانا لگائے۔'' وہ میرے رونے کو خاطر میں لائے بغیر اپنے معمول کے انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔

چندا ماما! آپ کتنے برے ہیں، میں رو رہی ہوں اور آپ بجائے مجھے چپ کرانے کے کھانے کے غم میں مبتلا ہیں۔'' میں نے روتے ہوئے شکوہ کیا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

''کیا شان ہے ملکہ عالیہ آپ کی۔ چٹ بھی میری پٹ بھی میری۔ واہ واہ سبحان اللہ۔ بائی دا وے ہم دونوں میں سے ناراض کون تھا اور منانا کس کو تھا۔''

وہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائے تھے۔ میں ایک پل کو تھوڑا سا شرمندہ ہوئی لیکن پھر فوراً ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی۔

''آپ نے مجھے ناراض کیا ہے اور اب آپ ہی منائیں گے بھی۔''

''وہ میرے مان بھرے انداز پر ہنس پڑے تھے۔ پھر کھانے کے بعد وہ مجھے باہر لے گئے تھے۔ ہم لوگوں نے لانگ ڈرائیونگ کا مزہ لیتے ہوئے ڈھیر ساری آئس کریم بھی کھائی۔ چندا ماما کو میں نے یقین دلایا تھا کہ میری وجہ سے ان کا کام بگڑے گا نہیں بلکہ سنورے گا۔

☆

صبح میں اپنے اتنے دنوں کے معمول کے تحت گھر سے واک کے لیے نکلی تھی۔ اب تو یہ ہونے لگا تھا کہ میں گھر سے نکل کر ان کے گھر پر بیل کیا کرتی تھی یا پھر کبھی کبھی وہ خود ہی گیٹ پر میکس کی زنجیر تھامے میرے منتظر ہوتے تھے۔ آج بھی وہ اپنے گیٹ پر کھڑے میرا انتظار کر رہے تھے۔ روزانہ ان کی بور گفتگو ایک گھنٹہ تک سن کر میرے اوپر کیا گزرتی تھی یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔ ان کی باتیں سننے کے لیے بہت سارا صبر، برداشت اور ہمت درکار تھی۔ پتا نہیں آنٹی اور گل رخ ان کو کیسے برداشت کرتی تھیں۔ مجھے تو صرف اور صرف چندا ماما کی محبت یہ کڑوا گھونٹ پینے پر مجبور کر رہی تھی۔

ان کے گیٹ تک پہنچی تو اپنے پیچھے پیچھے چندا ماما کو دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔

''یا اللہ خیر اب کیا ہو گا۔'' اب جبکہ وہ آ چکے تھے میں انکل کے سامنے انہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی۔

''چندا ماما بنا بنایا کام خراب کریں گے۔ کتنی محنت سے تمام حالات ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہی ہوں اور یہ میری محنت خاک میں ملانے چلے آئے۔ پتا بھی ہے وہ ان سے کتنا چڑتے ہیں۔''

میں چندا ماما کی اس بے تکی حرکت پر جتنا بھی افسوس کرتی کم تھا۔ وہ چندا ماما کے سلام کا خشک سے انداز میں جواب دے کر میرے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ چندا ماما کو برداشت بھی وہ صرف میری وجہ سے کر رہے تھے ورنہ اتنے خطرناک بندے سے کسی بھی قسم کی مروت کی کوئی توقع رکھنا عبث ہے۔ چندا ماما اپنے نظر انداز کیے جانے پر کسی بھی قسم کے ردِعمل کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اتنے سکون سے واک کر رہے تھے کہ مجھے ان کے اطمینان پر رشک آنے لگا۔

''آج کل جس ٹٹ پونجیے کو دیکھو سول سروس میں چلا آ رہا ہے۔ ایک وقت تھا صرف اچھے گھرانوں کے ذہین اور قابل لوگ ہی سول سروس میں آیا کرتے تھے۔ دو چار کتابیں پڑھ کر خود کو بہت قابل سمجھتے ہیں، در حقیقت قابلیت کیا ہے صفر۔''

انہوں نے بڑے رعونت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ مجھے ان کی بات اور لہجہ دونوں ہی بہت برے لگے تھے۔ سمجھتے کیا ہیں بڑے میاں خود کو۔ ارے میرے چندا ماما جیسا جینئس ٹیوب لائٹ لے کر بھی ڈھونڈیں تو نہیں ملے گا مگر چندا ماما بڑے پر سکون تھے۔ پھر وہ چندا ماما پر اپنی قابلیت کا رعب ڈالنے کے لیے مجھ سے ٹیگور اور ملٹن کی شاعری پر بات کرنے لگے۔ باتیں تو وہ روزانہ ہی اسی قسم کی کیا کرتے تھے مگر آج اس میں ضرورت سے زیادہ گہرائی اور فلسفیانہ رنگ چندا ماما کو متاثر کرنے کے لیے شامل کیا گیا تھا۔

ادب کے معاملے میں میں خاصی بے ادب ہوں۔ انٹر میں بڑی مصیبتوں سے اردو لٹریچر اور انگلش لٹریچر ہضم کیا تھا۔ شعروں کی تشریح کرنا تو مجھے دنیا کا سب سے مشکل کام لگتا تھا اور اردو کے پیپر میں میں شعروں کی تشریح کچھ اس طرح کیا کرتی تھی کہ اگر شعر ہے۔

اے جوئے آب بڑھ کہ ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

تشریح یوں ہوتی تھی اس شعر میں حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اے جوئے آب آگے بڑھو چاہے دریا تند ہو چاہے تیز ہو اور اگر ساحل بھی تمہیں عطا کیا جائے تو اسے ہرگز قبول نہ کرنا۔ ملاحظہ کی آپ نے میری کی ہوئی تشریح۔ ہمیشہ لٹریچر ہی میری پرسنٹیج گرانے کا باعث بنتا تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ مجھے آب کا مطلب تو پتا ہے۔ آب پانی کو کہتے ہیں ویسے یہ جوئے کیا ہوتا ہے؟ اور کوئی چاکلیٹ تو نہیں جو کسی کو عطا کی جا سکے، خیر مجھے کیا۔

انکل کے منہ سے صبح صبح اتنی ڈراؤنی باتیں سن کر میرا بی پی لو ہونے لگا تھا۔ دماغی کمزوری اور نقاہت محسوس ہونے لگی تھی مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب چندا ماما ان کے ساتھ ٹیگور اور ملٹن پر بات کرنے لگے۔ صرف میں ہی کیا خود چندا ماما کو بھی لٹریچر میں کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی تھی مگر اس وقت تو ان کی فراٹے سے چلتی زبان مجھے انگشت بدنداں والی کیفیت میں مبتلا کر گئی تھی۔

انکل کو انہوں نے چپ کروا دیا تھا اور اب مسلسل خود ہی بولے جا رہے تھے، کبھی شیکسپیئر کے سانیٹ پر، کبھی اقبال کے فلسفۂ حیات پر، کبھی دانتے اور گوئٹے پر۔

''آپ اقبال اور گوئٹے میں سے بڑا شاعر کسے تسلیم کرتے ہیں؟''

بولتے بولتے انہوں نے انکل سے سوال کیا تھا پھر ان کے جواب میں کچھ کہنے سے قبل خود ہی دوبارہ شروع ہو گئے۔ اقبال اور گوئٹے کے بارے میں اپنی تفصیلی رائے کا اظہار کرنے کے بعد وہ غالب، اقبال اور فیض کے ادوار کا آپس میں موازنہ کرنے لگے تھے۔ میرا لوہتا بی پی مارے جوش کے ہائی ہونے لگا تھا۔ انکل کی ہونق شکل مجھے بے حد خوشی فراہم کر رہی تھی۔ سمجھتے کیا ہیں یہ میرے چندا ماما کو میں نے فخر سے سوچا تھا۔ فردوسی، حافظ، رومی اور سعدی میں نے تو ان میں سے بہت سے نام کبھی پہلے سنے بھی نہیں تھے اور چندا ماما فارسی کے اشعار بھی اس طرح سنا رہے تھے جیسے یہ سب انہوں نے حفظ کر رکھے ہیں۔

چندا ماما کی شاعری کی انتہا یہ تھی کہ اردو میں انہیں علامہ اقبال کی ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری'' اور حفیظ جالندھری کا ''پاک سر زمین شاد باد'' اور انگلش میں بابا بلیک شپ پوری یاد تھی اور اس وقت وہ انکل کے ساتھ ساتھ مجھے بھی سکتہ میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔

میر امّن کی باغ و بہار، رجب علی بیگ سرور کی فسانہ عجائب کا ذکر کرتے ہوئے دبستان دہلی اور دبستان لکھنؤ کا تقابلی جائزہ پیش کرنے کے بعد وہ ادب کو چھوڑ کر کتوں کی تاریخ کی طرف آ گئے تھے۔ یہاں انہوں نے تاریخ کے مشہور کتوں کا ذکر بڑی روانی سے کیا تھا اور اصحابِ کہف کے کتے سے لے کر مختلف مشہور لوگوں کے کتوں کا ذکر کرتے کرتے وہ کلنٹن کے کتے پر آ کر چپ ہوئے تھے۔

ایک بیوروکریٹ دوسرے بیوروکریٹ کو کس طرح چاروں شانے چت کرتا ہے یہ نظارہ بھی آج میں نے دیکھ ہی لیا تھا۔ وہ جو اپنے سامنے کسی دوسرے کو قابل اور ذہین ماننے کو تیار ہی نہیں تھے عجیب ہونق نظروں سے چندا ماما کی طرف دیکھ رہے تھے۔ چندا ماما اپنی ہر بات کے بعد یہ جملہ ضرور کہہ رہے تھے۔

''انکل! آپ کو تو یہ سب پتا ہی ہوگا، آفٹر آل آپ اتنے جینئس اور انٹلیکچوئل ہیں۔''

وہ بدقت تمام گردن ہلا پاتے تھے۔ چلو سیر کو سوا سیر تو ملا۔ میرا دل ان کی پسپائی پر بڑا خوش تھا۔ میں چندا ماما کی اس کارکردگی پر جتنا بھی خوش ہوتی کم تھا۔ وہ جو چندا ماما کو ایک لاابالی اور غیر ذمہ دار نوجوان سمجھتے تھے اب یقیناً اپنی رائے پر نظر ثانی ضرور کریں گے۔ گھر پہنچ کر میرے استفسار کے جواب میں وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولے تھے۔

''ایک ہفتے سے اسی مہم پر لگا ہوا ہوں۔ لٹریچر میں انٹرسٹ نہیں تو کیا ہوا، جس طرح اسٹوڈنٹ لائف میں بہت سے سبجیکٹ ناپسند ہونے کے باوجود پڑھ لیا کرتے تھے، کیا اب اپنی دلچسپی کے بغیر کچھ پڑھ نہیں سکتے جبکہ یہ تو معاملہ بھی زندگی اور موت کا ہے۔''

مجھ سے ان کے بارے میں سن سن کر چندا ماما نے پہلے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ انہیں لٹریچر میں بہت زیادہ دلچسپی ہے اور ان کے بعد ان کا دوسرا پسندیدہ ترین موضوع ''کتے'' ہے۔ واقعی میرے چندا ماما جینئس ہیں۔

''چندا ماما! میں ابھی سے آپ کو اکیسویں، بائیسویں گریڈ کا آفیسر بنے ہوئے دیکھ رہی ہوں۔ آپ زندگی میں بہت ترقی کریں گے۔''

میرے کمنٹس پر انہوں نے لکھنوی انداز میں ''شکریہ، بندہ کس لائق ہے، آپ کی ذرہ نوازی ہے۔'' قسم کے جملے بولے تھے۔

''اب جیا نہ جائے، اب رہا نہ جائے

کوئی تو ہو جو آنکھوں سے اتر کر

چپکے سے دل میں بس جائے۔''

ریسیور کان سے لگاتے ہی پھر جنید جمشید کی خوبصورت آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ جب سے میں یہاں آئی تھی یہ غالباً اسی نوعیت کی دسویں کال تھی۔ ہر دفعہ فون کرنے والا میرے ہیلو کے جواب میں جنید جمشید کا کوئی نہ کوئی گانا لگا دیا کرتا تھا۔ مانا کہ میں جنید جمشید کی بہت بڑی فین ہوں۔ اس کے گانے خصوصاً ڈرائیونگ کے دوران تو میرے فیوریٹ ہوتے تھے مگر پھر بھی اس طرح فون کرنے والا کون تھا، میں تنگ آ گئی تھی۔ ہر بار میں بغیر کچھ کہے لائن ڈس کنیکٹ کر دیا کرتی تھی مگر آج میں رہ نہیں پائی تھی۔ مجھے اس ڈھیٹ اور سارے زمانے کے نکمے شخص پر بے پناہ غصہ چڑھ رہا تھا۔ خود تو فارغ ہے ہی دوسروں کو بھی اپنی طرح بے کار سمجھا ہوا ہے۔ میں نے جل کر سوچا تھا۔

''بھائی صاحب آپ کو میری پسند کا اتنا ہی خیال ہے تو ایسا کیوں نہیں کرتے کہ مجھے بذریعہ کوریئر سروس جنید جمشید کی تمام آڈیو کیسٹس اور تمام سی ڈیز بھجوا دیں۔ اس طرح آپ روز روز کی زحمت سے بھی بچ جائیں گے اور میں بھی جب چاہوں گی اپنی پسند کا گانا سن لیا کروں گی۔''

میں نے گہرے طنزیہ لہجے میں اپنی بات مکمل کر کے ریسیور پٹخ دیا تھا۔

''منحوس، ڈھیٹ پتا نہیں کون ہے۔''

میں اس نادیدہ بندے کو خاصی دیر تک کوستی رہی تھی۔ دن میں تارے کیسے نظر آتے ہیں، چھکے کیسے چھوٹتے ہیں اور اوسان خطا ہونا اور حواس باختہ ہونا کیا ہوتا ہے یہ میری سمجھ میں اس وقت آیا جب میں نے اگلے روز جنید جمشید کی تمام آڈیو کیسٹس اور سی ڈیز سے بھرا ہوا پارسل وصول کیا۔ بھیجنے والے کا جو نام درج تھا اس نام کے کسی بندے کو میں دور دور تک نہیں جانتی تھی۔ کس سے کہوں، کسے بتاؤں۔ میں بری طرح ڈر گئی تھی۔ اپنے اس گمنام عاشق سے مجھے خوف آ رہا تھا۔ چندا ماما کو بتانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

''چندا ماما کا مسئلہ حل ہو اور میں یہاں سے فوراً بھاگ جاؤں۔'' میں نے ڈر کر جلدی سے سوچا تھا۔ بہر حال یہ ضرور ہوا تھا کہ اس پارسل کے بعد سے کوئی فون نہیں آیا تھا۔ ایک دو دن میں بہت ڈری پھر چندا ماما اور گل رخ کے مسئلے میں لگ کر دوبارہ اس بات کی طرف سے اپنا دھیان ہٹا لیا تھا۔ گل رخ بے چاری بڑی تندہی سے چندا ماما کا علاج کر رہی تھی اب تو وہ میرے بغیر اکیلے ہی چندا ماما کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتی رہتی تھی۔ میں انہیں پرائیویسی کا موقع فراہم کرتے ہوئے کبھی چائے بنانے اور کبھی کسی اور کام سے وہاں سے کھسک لیا کرتی تھی۔

اس روز بھی گل رخ لاؤنج میں بیٹھی چندا ماما کو زندگی کی مختلف خوبصورتیوں کا احساس دلا رہی تھی۔ انہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ یہ دنیا بڑی ہی خوبصورت جگہ ہے اور ہماری زندگی بے حد قیمتی ہے۔ ہمیں اسے اچھے طریقے سے ہنستے مسکراتے گزارنا چاہیے۔

بے چارے چندا ماما کے چہرے پر بڑے ہی قابلِ رحم تاثرات درج تھے۔ باہر اتنا اچھا موسم ہو رہا تھا۔ رم جھم برستے اس موسم میں تو اچھے خاصے خشک مزاج بندے کا بھی تھوڑا بہت رومینٹک ہونے کا دل چاہنے لگتا ہے اور چندا ماما تو تھے ہی عاشق مزاج، ان کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔ وہ احمق ان کے چہرے پر پھیلے رنگوں کو دیکھ ہی نہیں رہی تھی۔ اپنی باتوں کی دھن میں اسے ان کی نظروں کی وارفتگی کا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا۔

میں کچن میں پائن ایپل شیک بناتے ہوئے اس سچویشن سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ مجھے ماما کی حالت زار اور گل کی بے نیازی دیکھ کر بے اختیار فرسٹ ایئر کی اردو میں پڑھا ایک شعر یاد آ گیا تھا اور یہ واحد شعر تھا جس کا مطلب بھی میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ شعر یاد آنے کی دیر تھی میرے لب کسی شرارت کا سوچ کر مسکرانے لگے تھے۔ ٹرے میں تینوں گلاس رکھ کر لاؤنج میں لاتے ہوئے میں با آواز بلند گنگنائی تھی۔

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے

جانے نہ جانے ''گل'' ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

گل رخ نے تو میری گنگناہٹ کا کچھ خاص نوٹس نہیں لیا تھا جبکہ چندا ماما نے مجھے گھور کر دیکھا تھا۔ میں ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھتے ہوئے دوبارہ گنگنائی تھی۔

''جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے''۔ میں نے ''گل'' پر خاص طور پر کافی زور دیا تھا۔

اب کی بار گل رخ نے بھی قدرے تعجب سے میری طرف دیکھا تھا جبکہ چندا ماما نے دانت پیستے ہوئے میری طرف غصے سے دیکھا تھا۔ گل رخ کے جانے کے بعد چندا ماما نے میرے اوپر بگڑنا شروع کیا تو میں لاپروائی سے ہنستی رہی تھی۔

''حد ہے بیہودگی کی۔'' وہ جل کر بولے تھے۔

''اساتذہ کا کلام آپ کو بیہودگی نظر آ رہی ہے۔

کچھ پتا ہے اردو ادب کی شان ہے یہ شعر۔ پتا پتا اور بوٹا بوٹا کی کتنی خوبصورت تکرار ہے۔ کتنا ردھم ہے اس شعر میں کتنی روانی ہے۔'' میں نے اپنے نوٹس میں جو کچھ رٹا تھا وہ بولنا شروع کیا تو چندا ماما نے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپاتے ہوئے میرے سر پر ایک عدد چپت رسید کی تھی جو میں نے بڑی خندہ پیشانی سے وصول کی تھی۔

☆

سب کچھ بالکل ٹھیک ٹھاک اور میری پلاننگ کے عین مطابق جا رہا تھا کہ نانی کی اچانک آمد نے مجھے اور چندا ماما دونوں ہی کو بوکھلا دیا۔ اپنی آمد کی پیشگی اطلاع دیئے بغیر وہ اچانک آ کر ہمیں پریشان کر گئی تھیں۔ نانی کے آنے سے سارا بنا بنایا کھیل بگڑنے کا خدشہ تھا۔ اگر گل رخ کو یہ پتا چل گیا کہ میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا تو وہ تو بری طرح ناراض ہو جائے گی۔ میں نے سوچا کہ چندا ماما کا علاج کرتے کرتے جب وہ خود ''مریض'' بن جائے گی پھر اسے ساری بات صاف صاف بتا دوں گی مگر یہاں تو سب کچھ چوپٹ ہوتا نظر آ رہا تھا۔

ابھی میں سوچ ہی رہی تھی گل رخ کو کوئی بہانا بنا کر آج آنے سے منع کر دوں کہ وہ چلی آئی۔ لاؤنج میں میں، چندا ماما اور نانی بیٹھے ہوئے

تھے۔ وہ بے تکلفی سے گھس کر اندر آ گئی تھی۔ نانی نے گلاسز ناک کے اوپر سیٹ کرتے ہوئے اس کا سر سے لے کر پاؤں تک جائزہ لیا تھا۔ گل رخ بھی نانی کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔

''نانی! یہ گل رخ ہے میری اس سے بہت اچھی دوستی ہو گئی ہے اور گل! یہ میری نانی ہیں۔'' میں نے تھوک نگلتے ہوئے بمشکل تعارف کروایا تھا۔

''ظالم'' اور ''سوتیلی'' نانی سے تعارف حاصل کر کے گل رخ نے بہت بڑا سا منہ بنا کر انہیں سلام کیا تھا، ایسے جیسے لٹھ ماری ہو۔

چندا ماما نے میری طرف بڑے غصے سے دیکھا تھا۔ ''دیکھ لیا اپنی بے تکی حرکتوں کا نتیجہ'' وہ آنکھوں آنکھوں میں مجھ سے مخاطب تھے۔

گل رخ نانی کو نظر انداز کر کے میرے برابر میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھی اور میرے دل کی دھڑکن خطرناک ہو رہی تھی۔ گل رخ حماقت کی حد تک سیدھی تھی۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ نانی کو ایسا ویسا کچھ بول دے۔ میرے منہ سے ان کے ظلم کے قصے سن سن کر وہ ان سے غائبانہ چڑنے لگی تھی۔ چندا ماما گاڑی کی چابی اٹھا کر نانی سے بولے۔

''اماں! میں صالح کی طرف جا رہا ہوں۔'' غالباً وہ اپنی اولین محبت کا عبرت ناک انجام دیکھنے سے بچنے کی خاطر گھر سے فرار ہو رہے تھے۔

''زیادہ دیر مت لگا دینا، ہم کھانے پر انتظار ہی کرتے رہ جائیں، میں تمہارے لیے اپنے ہاتھوں سے چانپوں کی بریانی بنا رہی ہوں۔ باہر کچھ الٹا سیدھا کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

ان کے انداز میں ممتا بھرا تحکم موجود تھا اور گل رخ سوتیلی ماں کے التفات پر کچھ متعجب سی بیٹھی ہوئی تھی۔ چندا ماما سر ہلاتے ہوئے چلے گئے تھے۔

''نانی! پتا ہے گل رخ بھی کھانا بہت اچھا پکاتی ہے۔''

میں نے ان دونوں کے درمیان خوشگوار فضا پیدا کرنے کی کوشش کی۔ نانی ''ہوں'' کر کے خاموش ہو گئی تھیں۔ یا اللہ رحم! یہ ساس بہو میں تو پہلے ہی سے پاک بھارت کشیدگی پیدا ہو رہی ہے۔ میں نے دہل کر سوچا۔

''اور بی بی! تمہارے باوا کیا کرتے ہیں۔'' جب نانی کو کسی کا نام نہیں آتا تھا تو وہ اسے بی بی اور میاں کر کے مخاطب کیا کرتی تھیں اور گل رخ کی کینہ توز نظریں تو انہیں سخت طیش دلا رہی تھیں۔

گل رخ نے بھی تپے تپے انداز میں اپنے باوا سے متعلق معلومات ان کے گوش گزار کر دی تھیں۔ میں نے اچھا خاصا پاکستانی چینل جس پر ''بلب'' لگا نا سکھا رہے تھے چینج کر کے ایم ٹی وی لگا دیا۔ پتا تھا اس پر آتی بے حیائی دیکھ کر وہ میرے اوپر چڑھ دوڑیں گی اور گل رخ سے ان کا دھیان خود بخود ہٹ جائے گا۔

''یہ کیا لگایا ہے عرشی! کچھ شرم ہے آنکھوں میں کہ نہیں، حد ہے بے شرمی کی۔'' وہ غضب ناک ہوئی تھیں۔

''ہاں آپ کو تو ہی اپنے زمانے کی فلمیں اور گانے اچھے لگتے ہیں جن میں ہیرو شیروانی پہن کر سر پر جناح کیپ اور آنکھوں میں ڈھیر سارا سرمہ لگائے ہیروئن سے کم سے کم بھی دو فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہوتا ہے اور ہیروئن فرشی غرارہ پہنے ''او مینا نجانے کیا ہو گیا۔'' یا اسی قسم کا کوئی اور گانا

غرارے کو پکڑ پکڑ کر گا رہی ہوتی ہے، ڈانس بھی سارا غرارے کی مدد سے ہوتا ہے۔''

گل رخ میری باتوں پر سر جھکا کر ہنسی روکنے کی کوشش کرنے لگی تھی جبکہ نانی گل رخ کے لحاظ میں چپ تو ہوگئی تھیں مگر ان کی آنکھوں میں غصہ اور کوفت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ میرا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ گل رخ سے ہٹ کر اب وہ میرے بارے میں سوچنے لگی تھیں۔

''اس لڑکی کا کیا ہوگا، پتا نہیں یونیورسٹی جا کر یہ کیا گل کھلائے گی۔''

میں ان کی نظروں میں اپنے لیے تفکر دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھی۔ گل رخ مزید دس پندرہ منٹ بیٹھ کر چلی گئی تھی۔ رات تک تو انہیں گل رخ کا بالکل بھی خیال نہیں آیا تھا، پہلے وہ میرے غم میں اور اس کے بعد چانپوں کی بریانی کے غم میں مبتلا رہی تھیں۔

رات میں سونے کے لیے نانی کے برابر میں آ کر دھم سے لیٹی تو انہوں نے گھور کر مجھے دیکھا تھا۔

''اور اتنے کمرے خالی ہیں، کہیں اور سو جا کر۔'' وہ ناپسندیدگی سے میری طرف دیکھ کر بولی تھیں۔

''نانی! آپ تو سچ مچ میری سوتیلی نانی لگ رہی ہیں۔'' میں لاڈ سے ان کے ہاتھ پر سر رکھ کر لیٹتے ہوئے بولی تھی۔

''کیا مطلب؟'' انہوں نے مجھے گھورا۔ میں نے ان کا سوال نظر انداز کر کے اپنی بات شروع کی۔

''نانی! آپ کو گل رخ کیسی لگی۔''

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے سرسری سا جواب دیا تھا۔

''نانی! صرف ٹھیک نہیں، بہت اچھی ہے، ایسی بہوؤں کی تو ساسیں آرزو کرتی ہیں، وہ اتنی سیدھی اور بے وقوف ہے کہ حد نہیں، آپ جیسے چاہیں اس کے ساتھ سلوک کیجئے گا وہ اف تک نہیں کرے گی۔''

میں نے اس کی تعریفوں کا سلسلہ شروع کیا تو نانی میرے سر کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے بولیں۔

''کس نے بھیجا ہے تمہیں حسن نے؟'' ان کے انداز میں پولیس آفیسر ز والا تفتیشی عنصر غالب تھا۔

''نانی پلیز'' اب آپ روایتی ساسوں کی طرح اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ مت بنا لیجئے گا کہ میرے بیٹے کو پھانس لیا، اس پر ڈورے ڈالے وغیرہ وغیرہ۔ ذرا سوچیں آپ کو بھی تو نانا جان نے پسند کر کے ہی شادی کی تھی۔ اگر اس روز آپ کا دوپٹہ مہندی کے تھال میں لگی موم بتی پر نہ گرتا اور نانا جان فوراً آگے بڑھ کر آگ نہ بجھاتے تو آج آپ کے بجائے پروین خاتون ہماری نانی ہوتیں جن سے نانا جان کی نسبت طے تھی مگر وہ آپ کے آنچل کی آگ بجھاتے بجھاتے اپنے دل میں آپ کے پیار کی آگ جلا چکے تھے۔'' میری تقریر جاری تھی کہ نانی کا زوردار ہاتھ کندھے پر پڑا تھا، میں تکلیف سے بلبلا کر رہ گئی تھی۔

''بے ہودہ، بدتمیز۔'' وہ سخت غصے میں مجھے گھور رہی تھیں۔

نانی کا چہرہ ایک دم سرخ پڑ گیا تھا۔ اس طرح شرماتی ہوئی نانی کتنی پیاری لگ رہی تھیں۔ میں ہنس پڑی تھی۔ نانی اور نانا جان کی عشقیہ داستان جو بس اس مختصر دوپٹے والے واقعہ پر مشتمل تھی مجھے ہمیشہ ہی مزہ دیا کرتی تھی۔ نانی ہمیشہ ہی اس بات پر سرخ پڑ جایا کرتی تھیں۔

''ذرا سوچیں، آپ کی ساس نے بھی تو بڑے دل کا ثبوت دیا تھا اور بیٹے کی پسند کو دل و جان سے قبول کر لیا تھا۔ آپ کیا اس بات کو لے کر اسے ریجیکٹ کر دیں گی۔''

میرا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔ اپنی مرحومہ ساس سے تو نانی کو ایسی ویسی نہیں ٹھیک ٹھاک پرخاش تھی اور آج بھی کسی معاملے میں اگر ان کا اپنی ساس سے موازنہ کیا جاتا تو وہ طیش میں آجاتی تھیں۔

اگلے روز میں نانی کو لے کر گل رخ کے گھر گئی تھی۔ چندا ماما کو اس بارے میں میں نے کچھ نہیں بتایا تھا وہ تو سمجھ رہے تھے کہ ان کی لو اسٹوری کا دردناک انجام ہو چکا۔ میں نانی کو جان کر صبح کے وقت لے کر گئی تھی پتا تھا اس وقت گل رخ یونیورسٹی گئی ہوگی۔ اس کی ممی نانی کو اچھی لگی تھیں۔ یہ تو ہم نانی نواسی طے کر کے گئے تھے کہ ابھی رشتے کی بات نہیں کرنی، صرف نانی ان سے مل کر اور ان کے گھرانے کا جائزہ لے کر آجائیں گی۔

نانی کے تاثرات سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ انہیں گل رخ کے گھر کا ماحول اور خاص طور پر اس کی ممی بہت پسند آئی ہیں۔ میری آمد کی اطلاع پا کر انکل بھی اسٹڈی سے نکل کر لاؤنج میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ باتیں ان کی وہی تھیں۔ آج وہ گلیلیو، آئن اسٹائن اور نیوٹن کی ارواح کو ایصال ثواب پہنچانے کے موڈ میں تھے۔ گھر واپس آکر میں نے نانی سے ان کی رائے جاننی چاہی تو وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

''باقی سب تو ٹھیک ہے، گھرانہ بھی معزز ہے، خاندانی لوگ ہیں، ماں بھی سلجھی ہوئی ہے مگر وہ خبطی...... بابا۔ کیا پتا بیٹی بھی ایسی ہی پاگلوں والی باتیں کرتی ہو۔''

''نانی! آپ ہی تو کہا کرتی ہیں کہ ''جیسی ماں ویسی بیٹی۔'' شادی کے وقت لڑکی کو نہیں اس کی ماں کو دیکھنا چاہیے اور اس کی ممی تو آپ کو اچھی لگی ہیں۔ پلیز نانی مان جائیں نا۔'' میں نے لجاجت سے کہا تھا۔ چندا ماما کا مقدمہ مجھے ہر صورت جیتنا تھا۔

''اچھا مجھے سوچنے دو۔ شادی بیاہ کا معاملہ ہے، کوئی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں۔ حسن سے بات کروں گی پھر تمہاری ماں اور خالاؤں سے فون پر مشورہ کروں گی اس کے بعد ہی فیصلہ ہوگا۔''

نانی نے دوٹوک انداز میں کہا تھا۔

☆

ہوئے تم دوست جس کے
دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

گل رخ نے فون پر بڑے تپے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا تھا۔ نانی فون پر سب سے صلاح مشورے کے بعد باقاعدہ رشتہ لے کر جا چکی تھیں اور آنٹی انکل نے سوچنے کا وقت مانگا تھا۔

''سب ڈرامے ہیں یہ سوچنے کا وقت، میرے بیٹے کو کوئی انکار کر سکتا ہے۔''

نانی واپس آکر فخریہ انداز میں بولیں تو میں اور ماما ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ اگر میں یہاں نہ آتی اور انکل سے راہ و رسم نہ بڑھاتی پھر

دیکھتیں نانی ان کے بیٹے کو انکار کیسے ہوتا ہے۔ ان خرانٹ انکل سے تو کوئی بعید نہ تھا کہ وہ یہ جان کر کہ نانی اسی بے ہودہ لڑکے کی والدہ ہیں جس نے ان کے میکس کی جان لینی چاہی تھی اسی وقت کھڑے کھڑے نانی کو اپنے گھر سے نکال دیتے۔

چندا ماما بہر حال میری صلاحیتوں کے معترف تھے۔ ان کے اس تعریفی جملے ''جس کی تمہاری جیسی بھانجی ہو اسے فکر کی کیا ضرورت ہے۔'' نے میرا سیروں خون بڑھا دیا تھا۔

گل رخ ظاہر ہے آخر کار ساری بات سمجھ ہی گئی تھی اور رات میں فون کر کے اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی تھی۔

''یار گل! میں کیا کرتی میرا ماما تم پر دل وجان سے فدا ہو گیا تھا اور تم ایک دم بے وقوف، میں کرتی تو کیا کرتی۔ تم دونوں کو ملوانے کے لیے یہ معصوم سا جھوٹ بولا تھا میں نے۔'' میں اس کے غصے کے جواب میں لجاجت سے بولی تھی۔

''پہلی ہی مرتبہ سب کچھ صحیح صحیح بتا دیتیں تو میں تمہیں کھا تو نہیں جاتی اور میں کتنی پاگل ہوں تمہاری مکاری میری سمجھ میں آئی ہی نہیں۔ وہ تو اس دن جب تم گل ہی نہ جانے کا ورد کر رہی تھیں تو میں ٹھٹکی تھی۔ اس عمر میں یہ حال ہے عرشیہ! تم آگے جا کر تو اچھے اچھوں کے کان کاٹا کرو گی۔''

میں اپنے بارے میں اس کے ''تعریفی الفاظ'' پر ہنس دی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ، تمہیں میرے ماما اچھے لگتے ہیں نا؟''

میں مطلب کی بات پر آ گئی تھی۔

''تمہیں کیوں بتاؤں، ان سے کہو کچھ خود بھی کر لیں، کیا ہر کام ہی بھانجی سے کروائیں گے۔''

وہ کچھ شرماتے ہوئے بولی تھی اور میں اس کے ''ان'' سے ہی سمجھ گئی تھی ''دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔'' فون رکھ کر میں چندا ماما کو حرف بہ حرف ساری رپورٹنگ کر دی تو وہ پتا نہیں کیا سوچ کر مسکرا دیے تھے۔

اب چندا ماما کے کمرے میں اقبال بانو، فریدہ خانم اور غلام علی کی جگہ علی حیدر کا ''چاند سا مکھڑا اترا ہے من میں'' اور منی بیگم کا ''ہاتھ دیا اس نے میرے ہاتھ میں'' کثرت سے بجنے لگا تھا۔

شکر ہے چندا ماما کا مسئلہ تو حل ہوا، میں نے طمانیت سے سوچا تھا۔ نانی اور میں گل رخ کے گھر مٹھائی لے جا کر منہ میٹھا کروا کر آ گئے تھے۔ باقاعدہ رسم اگلے ماہ پوری دھوم دھام سے ہونی تھی۔ میں نے تو حقِ دوستی اور ''فرضِ بھانجی'' ادا کرتے ہوئے ان دونوں کی ملاقات کا اہتمام کروانا چاہا تھا مگر گل رخ کو شرمانے سے ہی فرصت نہیں تھی۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ ''ان'' سے فون پر بات کر لیا کرتی تھی۔ پتا نہیں یہ لڑکیاں شرما کیسے لیتی ہیں۔ میں تو اپنے ''ان'' سے کبھی بھی نہ شرماؤں، ہو سکتا ہے وہ مجھ سے شرمایا کریں۔ میں نے سوچا تھا۔

ممی کا کئی بار فون آ چکا تھا کہ بہت دن رہ لیں واپس آ جاؤ۔ میری کلاسز بھی شروع ہونے والی تھیں۔ نانی تو بات پکی کر کے فوراً ہی واپس چلی گئی تھیں۔ چندا ماما کا دل نہیں چاہ رہا تھا مجھے بھیجنے کو اور میں خود کون سا جانا چاہ رہی تھی۔ یہاں اتنا مزہ آ رہا تھا مگر جانا تو تھا ہی۔ فی الحال تو میں نے ممی سے دو چار دن مزید رکنے کی مہلت لے لی تھی۔

کافی دن ہو گئے تھے میں نے اپنی ای میلز چیک نہیں کی تھیں۔ فرحین، زارا اور اپنی تمام فرینڈز کے ساتھ ساتھ میں نے ندا اور بلال وغیرہ کو بھی E-Mails بھیجی تھیں۔ ان کا جواب آیا یا نہیں یہی دیکھنے کے لیے میں کمپیوٹر کھول کر بیٹھ گئی۔ اپنے نام آئی ہوئی تمام E-Mails پر نظریں دوڑائیں تو زارا وغیرہ کی E-Mails تو تھیں ہی لیکن ایک عجیب وغریب Message بھی تھا۔ ''Attention Miss Nedian''

میرا چونکنا بالکل فطری تھا۔ اس انوکھے پیغام پر میں نے باقی ساری ای میلز کو نظرانداز کر کے سب سے پہلے اسے ہی پڑھنے کا فیصلہ کیا۔

''Miss Nedian''

''I am Missing you, Raza Waqas''

(میں تمہاری کمی محسوس کر رہا ہوں، رضا وقاص)

میں ای میل پڑھ کر کتنی ہی دیر گم صم بیٹھی رہی۔ رضا اور مجھے یاد کر رہا ہے۔ مجھے حیرت کے ساتھ ساتھ پتا نہیں کیوں خوشی بھی ہو رہی تھی۔ اچانک میری سمجھ میں وہ گمنام کالز بھی آ گئیں اور آپ ہی آپ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ آپس کی بات ہے، اچھا تو وہ مجھے ہمیشہ ہی سے لگتا تھا بس میں یہ بات قبول نہیں کرتی تھی۔

''ہوں تو یہ قصہ ہے۔'' چندا ماما میرے برابر والی چیئر پر بیٹھتے ہوئے بولے تو میرے ہوش اڑ گئے۔

''رضا بہت کمینہ ہے، بہت برا ہے۔ آپ کے ساڑھے چار سو کا نقصان کر دیا تھا اور سب کے سامنے مذاق الگ اڑایا تھا۔''

وہ انگلیوں پر اس کی ایک ایک برائی جو میں نے انہیں بتائی تھی گنوا رہے تھے اور وہ جو میں کہتی تھی کہ پتا نہیں لڑکیاں شرماتی کیوں ہیں ایک دم اپنی سب کہی سنی بھلا کر سر جھکا گئی تھی۔ وہ میری حالت سے محظوظ ہو رہے تھے۔

''اچھا تو این ای ڈی جانے کا اتنا گریز اس وجہ سے تھا۔'' وہ مجھے چھیڑ رہے تھے۔

''چندا ماما! آپ مجھے نروس کر رہے ہیں۔'' میں ان کے کندھے پر سر رکھ کر پزل سی ہو کر بولی تھی۔

''کاش اماں یہاں ہوتیں تو اپنی نواسی کو شرماتا دیکھ کر ان کا کئی کلو خون بڑھ جاتا۔ جاتے وقت بھی مجھ سے کہہ رہی تھیں پتا نہیں اس لڑکی سے تو دھڑکا ہی لگا رہتا ہے۔ لڑکیوں والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔'' وہ نانی کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے بولے تھے۔

''چلو اب تم کراچی کی تیاری پکڑو۔ پیچھے پیچھے میں بھی آ رہا ہوں۔ میری بھانجی نے میرا اتنا ساتھ دیا ہے تو آخر میرا بھی فرض بنتا ہے اس کی مدد کروں۔'' وہ میری پونی کھینچتے ہوئے بولے تھے۔

''میرا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ نہ تو میرے سر خبطی ہیں اور نہ ہی انہوں نے کوئی کتا پال رکھا ہے۔''

بے اختیار میرے منہ سے نکلا تھا اور چندا ماما کے بلند و بالا قہقہے نے مجھے غور کرنے پر مجبور کیا کہ میں نے کہا کیا ہے تو میں سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ گئی تھی۔ ان کے قہقہے نے سیڑھیوں تک میرا پیچھا کیا تھا۔